www.urducouncil.nic.in

جون 2022 ، قیمت :- ₹10

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

بچوں کے قلمکاروں کے لیے سوالنامہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں بچوں کے قلمکاروں سے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کو قلمکاروں اور کتابوں کے بارے میں معلومات کے ساتھ ساتھ اپنا مستقبل اور کریئر بہتر بنانے کے لیے نئی روشنی اور نئی راہ بھی مل سکے۔ یہ ادارے کی طرف سے تیار کردہ سوالات ہیں، ان کے جوابات ادب اطفال سے جڑا ہوا کوئی بھی قلمکار دے سکتا ہے۔

1 بچپن کی کون سی باتیں/شوخیاں/شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟
2 بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنّفین کون تھے اور اب کون ہیں؟
3 بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟
4 بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟
5 بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟
6 زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنّفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہوسکتی ہیں؟
7 مستقبل اور اپنے کریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

---

8 اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟
9 آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟
10 آپ کی پہلی تخلیق، کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟
11 آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟
12 کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟
13 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟
14 ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟
15 کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟
16 انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں؟
17 کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟
18 بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
19 معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
20 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟
21 بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے!
22 ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟
23 بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام!

* جوابات کے ساتھ پاسپورٹ سائز تصویر اپنی کتابوں کا عکس ضرور ارسال کریں۔

بچوں کی دنیا

جلد: 10 شمارہ: 06 جون 2022

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم: شاہنواز محمد خرم

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ تعلیم۔محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000

شعبہ ادارت:49539009-11

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ/100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اوراس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبۂ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002
فون:040-24415194

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
مضامین		
عالمی سائیکل ڈے	انصار احمد معروفی	06
پیارے بچوں کے لیے نصیحت	متین الدین	09
باپ : محبت وایثار کا پیکر	رازدان شاہد	11
نظمیں		
اپنا چاند	متین اچل پوری	15
بچوں کے دوہے	شاہد جمیل	16
دیش کو آگے بڑھائیں گے	فیض رتلامی	17
شخصیت کو اعلیٰ کرلو	شکیل سہسرامی	18
حروف تہجی	عبدالرزاق دل کھولاپوری	19
لوڈو	شفیق الدین شایاں	20
آ گئی گرمی	فراق جلال پوری	21
شب کی تاریکی	رونق خلیقی	21
تعلیم	فرقان احمد سردھنوی	22
مشورہ	سید عقیل احمد	23
تو کوشش اپنی جاری رکھ	سارہ فیصل ایمان	24
ذائقہ		
گرما گرم سموسے	سلمیٰ یوسف حسین	25
کہانیاں		
پانی کی اہمیت	سلطان آزاد	27
ڈاب ڈبولی	انیس رشید خان	29
بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا	خان حسنین عاقب	32
درختوں کی کہانیاں	محبوب حسن	34
میری آواز سنو	شاہ تاج	36
نولکھا ہار	ڈاکٹر علقمہ شبلی	39
ایک سفر	محمد اسلم تنویر	41
چلر پارٹی	سحر اسعد	43
ترجمہ		
لیولین چن	انصاری حفیظ الرحمن	46
بچوں کا کتب خانہ		
سراج عظیم کی 'دادا بیتی'	خان محمد رضوان	50
سائنس نامہ		
بجلی—ایک کمال، ایک حقیقت	اندرجیت لال	52
صحت اطفال		
فاسٹ فوڈ (Fast Food)	جاوید احمد سعید کامٹوی	56
زبان شناسی		
صحت املا	رشید حسن خان	58
ننھے فنکار		
پینٹنگ		61

پیارے بچو! آنکھ قدرت کا عظیم تحفہ اور بیش بہا نعمت ہے۔ یہی آنکھ ہے جو ہمارا رشتہ رنگ اور روشنی کی دنیا سے جوڑتی ہے۔ آنکھوں سے ہی ہم قدرت کے حسین مناظر پہاڑ، پیڑ، پرندے، ندی، سمندر، دریا اور دنیا کے عجائبات، آثارِ قدیمہ، فلک بوس عمارتیں اور تاریخی عمارتیں اور دوسری حسین چیزیں دیکھتے ہیں اور ان سے محظوظ ہوتے ہیں۔ آنکھ پر تو یوں بہت سے شعر کہے گئے ہیں۔ علامہ اقبال کا بھی ایک بہت عمدہ شعر ہے جس سے آنکھ کی اہمیت اور معنویت روشن ہوتی ہے۔

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

دراصل آنکھ ایک کھڑکی ہے جو پوری دنیا کو آپ کے روبرو کر دیتی ہے۔ اگر آنکھیں نہ ہوں تو انسان قدرت کی بہت سی نعمتوں کو دیکھنے سے محروم رہ جاتا ہے۔ آپ ذرا ان لوگوں کی حالت دیکھیے جو بینائی سے محروم ہیں، انھیں کس قدر اذیتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ صرف فطری مناظر دیکھنے سے ہی محروم نہیں رہتے، بلکہ وہ اپنے ماں باپ اور قریبی رشتے داروں اور دوستوں کے چہرے دیکھنے سے بھی محروم رہتے ہیں، جن کے دیکھنے سے آنکھوں کو خوشی ملتی ہے اور سکون نصیب ہوتا ہے۔

پیارے بچو! اس لیے اپنی آنکھوں کی حفاظت کیجیے، کیونکہ آج کل آنکھوں کے اسپتال میں ننھے منے بچوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے، معصوم چہروں کو وہاں دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی ہے۔ یہ وہ بچے ہوتے ہیں جنھیں آنکھوں کی شکایت ہوتی ہے۔ جن کی بینائی کم ہونے لگتی ہے یا جن کی آنکھوں میں سوزش، جلن اور دیگر بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ آپ کو پتہ ہے کہ آنکھوں کی یہ ساری بیماریاں ٹیلی ویژن، کمپیوٹر، موبائل فون اور ویڈیو گیمز پر زیادہ دیر تک مصروف رہنے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ ان کی وجہ سے بچے ڈیجیٹل بیماریوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ کمپیوٹر اور موبائل کی اسکرین سے جو نیلی روشنی نکلتی ہے وہ آنکھوں کی صحت کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہوتی ہے، اسکرین پر زیادہ دیر تک آنکھیں مرکوز رکھنے سے آنکھوں میں خشکی، خارش، سوزش، الرجی اور دوسری طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ آنکھوں کی بینائی اور طاقت بھی متاثر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ نیند پر بھی منفی اثرات پڑتے ہیں اور دماغی کارکردگی پر بھی اس کا منفی اثر پڑتا ہے۔

پیارے بچو! اپنی آنکھ کا خاص طور پر خیال رکھیں، زیادہ دیر تک موبائل اسکرین وغیرہ پر اپنی نگاہ مرکوز نہ رکھیں کیونکہ مسلسل موبائل فون کے استعمال سے بھینگے پن کا امکان بڑھ جاتا ہے اور ماہرین بتاتے ہیں کہ اس سے دماغی کینسر کا بھی خطرہ ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ موبائل کا بہت کم استعمال کریں، اور استعمال کرتے ہوئے احتیاط برتیں۔ کم از کم 20 منٹ کا وقفہ رکھیں، موبائل اسکرین اور آنکھوں کے درمیان فاصلہ ضرور رکھیں۔ نئی تحقیق کے مطابق موبائل کے زیادہ استعمال سے بہت زیادہ پریشانیاں بڑھ رہی ہیں۔ موبائل فون کا استعمال کرنے میں اگر آپ نے احتیاط کا دامن چھوڑ دیا تو یہ خوبصورت زندگی بے معنی اور بے رنگ ہو جائے گی اور جن حسین مناظر سے آپ کی آنکھوں کا رشتہ ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

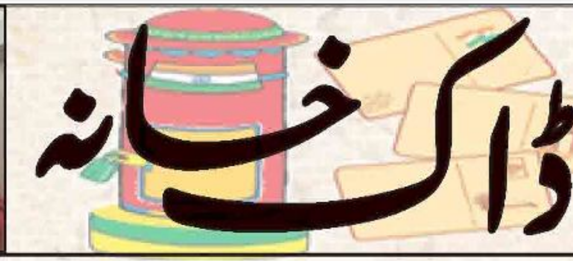

ڈاک خانہ

رسالہ 'بچوں کی دنیا' کا مطالعہ میں نے بہت کم کیا ہے۔ جب تک دلی میں رہی تب تک تو رسالہ آسانی سے دستیاب تھا، مگر ان دنوں میرا قیام لکھنؤ میں ہے۔ وقتاً فوقتاً ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' موصول ہوجاتا ہے۔ دل بہت خوش ہوتا ہے۔

'بچوں کی دنیا' میں کچھ مضامین تو ایسے ہوتے ہیں جنھیں پڑھ کر خود اپنا بچپن یاد آتا ہے۔ چند ساعت کے لیے ہم اس دنیا میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بچوں کی تعلیم و تربیت سے متعلق اچھے مضامین آتے ہیں۔ جو بچوں کے مستقبل سنوارنے میں کارآمد ہوتے ہیں۔ یہ رسالہ مختصراً زندگی کے تمام شعبے کو چھوتا ہوا سا لگتا ہے۔ مئی کے شمارے میں اچھے اچھے موضوعات کے ساتھ عید پر چند تحریریں پسند آئیں۔ 'عید' کے عنوان سے ایک طویل نظم پسند آئی اور غم بھی ہوا کہ کورونا کے عہد میں عید کی خوشی اور گزرنے والوں کے غم پر فردوس بانو فلاحی نے ہمدردی کا اظہار کیا۔ یہ ایسا رسالہ ہے جو والدین کو بھی بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے مہمیز کرتا رہتا ہے۔ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کے لیے اگر دوسری زبانوں سے بچوں کے متعلق مواد شائع کیے جائیں تو ایک نیا آئیڈیا ملے گا نیز ایسے مواد بھی شامل کرنے چاہئیں جو سرپرستوں کو بھی تربیت کا راستہ بتائیں کہ غیر اردو داں طبقے میں، غیر ممالک میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کیا کیا طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔

اردو صرف خطوط لکھنے، نغمے تحریر و تخلیق کرنے کی زبان نہیں ہے بلکہ اس میں اخلاقی، طبی، سائنسی نیز ماحولیات سے متعلق نئے نئے مضامین ملتے ہیں جو تعمیر ملک میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ پیڑ پودوں اور چرند پرند پر اچھی تحریریں ملتی ہیں جو ماحولیات کو بہتر بنانے میں مثبت کردار ادا کرتے ہیں۔ برے عادات پر برے انجام سے متعلق تحریریں نصیحت آمیز ہوتی ہیں جس سے بچے سبق حاصل کرتے ہیں۔ آئندہ زندگی میں اچھا بننے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ برے انجام سے حاصل ذلت و رسوائی سے شرمندگی و ندامت کا احساس ہوتا ہے جس سے بچنے کی کوشش ہوتی ہے۔

میری طرف سے ایک مشورہ ہے کہ عہدِ کورونا میں بچوں کی تعلیم اور صحت پر کیا منفی و مثبت اثرات پڑے ہیں، ایسی تحریریں شائع ہونی چاہئیں جو زوداثر ہوں اور والدین نیز بچے اپنے خسارے کی بھرپائی کیسے کریں تاکہ ان کی زندگیاں دوبارہ راستے پر آسکیں۔ بچے پھر ایک بار اسی ذوق و شوق سے کتابوں اور اسکولوں سے ہم آہنگ ہوں۔

ڈاکٹر عائشہ شہناز، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ عربی، خواجہ معین الدین چشتی یونیورسٹی، لکھنؤ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' جو کہ ادبی و اصلاحی یاقوت و لعل سے لبریز ہے، میں نے پڑھا۔ اس طرح کے رسالے ہمارے مدرسہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹر میں آتے رہتے ہیں لیکن یہ ایک انوکھا رسالہ ہے جو کہ ہم جیسے طلبہ کے لیے زبان و ادب کی اصلاح اور بہتری کے لیے بہت مفید ہے، مگر سوئے قسمت کہ درسی مشغولیت کی وجہ سے بالاستیعاب مطالعہ کرنے میں غیر معمولی دشواری پیش آتی ہے، ہاں گاہے بگاہے مطالعہ کرلیتا ہوں انسان تو خیالات و افکار کا بحرِ بیکراں ہے لیکن انھیں بیان کرنے کے واسطے الفاظ کی کمی محسوس ہوتی ہے اور اس طرح کے رسالے اس کمی کو ختم کرنے میں غیر معمولی قوت فراہم کرتے ہیں۔ یہ رسالہ صوری اور معنوی ہر اعتبار سے مجھے بہت پسند آیا۔ اللہ کرے تواتر کے ساتھ یہ رسالہ شائع ہوتا رہے اور ہمارے اسکول اور مدارس کے طلبا اس سے فیض اٹھاتے رہیں۔

مزمل احمد ارریاوی، متعلم: جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر

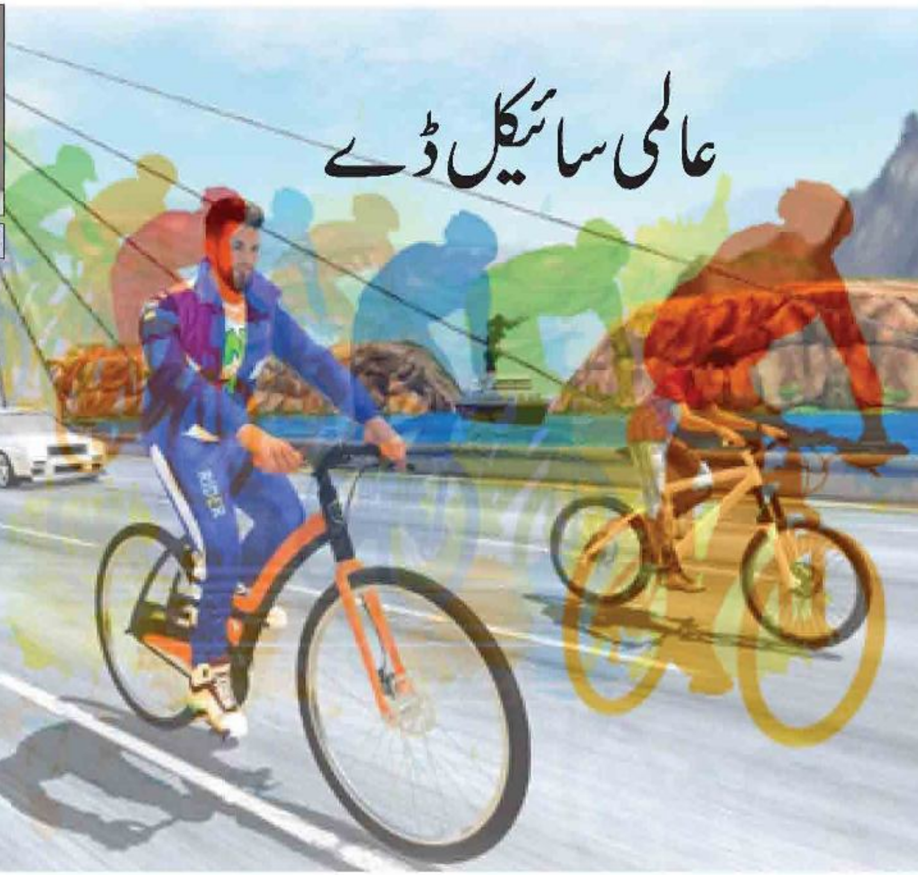

عالمی سائیکل ڈے

انصار احمد معروفی

سائیکل پوری دنیا میں مشہور ہونے کے ساتھ آج بھی سڑکوں پر تیز رفتار سواریوں کے پہلو بہ پہلو چل رہی ہے اور اپنی حیثیت منوا رہی ہے، سائیکل پر سوار ہو کر بچے آج اسکول و کالج کا لمبا راستہ طے کرتے ہیں، ضرورت زمانہ اور حالات کے تقاضے کے پیش نظر اب بچوں کے لیے چھوٹی سے چھوٹی خوشنما سائیکلیں بازار میں رنگ برنگ کی دستیاب ہیں۔ یہ ایک ایسی دو پہیہ سواری ہے جو پہیہ ایجاد ہونے کے بعد بہت جلد وجود میں آئی، ابتدائی سواریوں میں سے یہ ایک ایسی سواری ہے جو ایجاد ہونے کے بعد سے آج تک رائج ہے اور اتنی ترقی ہو جانے کے بعد بھی آج تک اس کی آب و تاب برقرار ہے اور معاشرے میں اب تک وہ اپنی خدمات انجام دے رہی ہے، مزدوروں کی یہ ایسی سواری ہے جس سے وہ لمبا لمبا سفر طے کرتے ہیں، یہی وہ سواری ہے جس میں کوئی بڑا خرچ بھی نہیں آتا، نہ اس میں تیل کی ضرورت ہے نہ پانی کی۔ یہ کمزوروں اور مزدوروں کی سواری ہے جو مصیبت اور خوشی میں برابر ساتھ رہتی ہے اور ''کم خرچ بالانشیں'' ہوتی ہے۔ سائیکل میں جہاں ہر طرح کی آسانی ہے کہ اس سے جہاں راستہ طے ہو جاتا ہے وہیں اس کے چلانے سے پورے بدن کی مکمل ورزش بھی ہو جایا کرتی ہے، کتنے ڈاکٹر اپنے مریضوں کی تندرستی کی بحالی اور بڑھتے ہوئے وزن کو کنٹرول میں لانے کے لیے سائیکل سواری کا مشورہ دیتے ہیں۔ سائیکل سواری کو فروغ دینے اور ایندھن کو بچانے کے لیے؛ نیز فضائی آلودگی کو کم کرنے کے لیے حکومتیں اس بات کی رہنمائی کرتی رہتی ہیں کہ وہ اس ابتدائی سواری کو باقی رکھیں اور اسے استعمال میں لائیں،

اسی لیے حکومتیں وقتاً فوقتاً سائیکل سواری کے مقابلے منعقد کراتی ہے اور اس پر بڑے بڑے انعامات تقسیم کرتی ہیں۔

بچوں کی یہ ایسی سواری ہے جس کو بچے سب سے پہلے اپنے استعمال میں لاتے ہیں، اس کو چلانا سیکھتے ہیں، اس سے اسکول کا راستہ طے کرتے ہیں اور کبھی کبھی اپنی اسی گاڑی کا ساتھیوں میں دوڑ کا مقابلہ بھی کرتے اور تیز سے تیز چلا کر انعام بھی حاصل کرتے ہیں۔

بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ ڈیزل اور پٹرول کی قیمتیں بڑھ کر آسمان کو چھونے لگتی ہیں یا بہت زیادہ گاڑیوں کی آمد و رفت کی وجہ سے سڑکوں پر بھیڑ ہوجاتی ہے، دھوئیں کی وجہ سے دمہ، کھانسی اور سانس و پھیپھڑے کے امراض بڑھنے لگتے ہیں، آلودہ فضا میں سانس لینا مشکل ہوجاتا ہے۔ تب اس کی روک تھام کے لیے اسکول و کالج بند کرکے، جفت و طاق کے فارمولے نافذ کرکے اس صورت حال کا مقابلہ کیا جاتا ہے، اس موقع پر سائیکل سے چلنے، ایندھن کو بچانے، فضا کو صاف ستھری بنانے اور صحت کی بحالی کے لیے سائیکل چلانے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

اب ذرا یہ دیکھ لیا جائے کہ سواریوں میں سب سے کم جگہ لینے والی یہ سائیکل کب وجود میں آئی اور کیسے اس میں رفتہ رفتہ ترقی ہوئی؟ سائیکل کی ایجاد سب سے پہلے فرانس کے ڈی سیوراک نے 1690 میں دو پہیوں کو ایک ڈنڈے سے جوڑ کر بنائی تھی، بعض حضرات کہتے ہیں کہ سائیکل بنانے کا سہرا ایک جرمن شہری ''بارون کارل فان ڈرائس'' کے سر جاتا ہے جنھوں نے 12 جون 1817 کو سائیکل ایجاد کی۔ ایک رپورٹ کے مطابق انسانی اعصاب کے ساتھ کام کرنے والی یہ مشین دوسو دو سال پہلے ایجاد ہوئی تھی، ڈرائس نے 12 جون کو اپنے آبائی شہر 'منہائیم' میں ایک تجربہ کیا، انھوں نے اپنی دو پہیوں والی رنگ مشین یا دوڑنے والی مشین کی سواری کی، لکڑی کے ایک فریم اور لوہے کے بنے دو پہیے بغیر پیڈل کے اس مشین کو 'ڈرائی سینے' کا نام دیا گیا، (نیو نیوز) اس کا وزن 25 کیلوگرام تھا، ڈرائس نے جب اپنی ایجاد کی ہوئی یہ سائیکل؛ جس پر وہ خود بیٹھے ہوئے تھے، لے کر جرمنی کی سڑکوں پر نکلے تو وہاں کے لوگ انھیں بڑے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ وہ اسے پیر سے ڈھکیلتے ہوئے چلا رہے تھے، لوگوں کو اس سائیکل سے اس قدر دلچسپی بڑھی کہ کچھ ہی عرصے میں جرمنی کے علاقے 'مین ہیم' میں لوگ ہر گھر میں اسے استعمال کرنے لگے اور اس کا نام انھوں نے 'شوقیہ گھوڑا' رکھ دیا۔

جو چیز پہلے ایجاد ہوتی ہے اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ آہستہ آہستہ اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور ضرورت کے مطابق اس میں ترمیم کرکے اسے ترقی یافتہ شکل میں لایا جاتا ہے، چنانچہ سائیکل کی جب ایجاد ہوئی تب اس میں ہوا بھرنے کا انتظام نہیں تھا، اس میں گدی اور گھنٹیاں نہیں تھی، اس میں بریک نہیں تھے، اس میں چین اور پیڈل نہیں تھے، بعد میں 1838 میں اسکاٹ لینڈ کے 'میک ملن' نے اس کے پرزوں میں اور تبدیلی کی اور تقریباً تین سال کے بعد اس کو پیڈل سے چلنے والی سائیکل بنا دیا، اس وقت سائیکل کو روکنے کے لیے اس میں بریک نہیں لگے ہوئے تھے اور پیروں سے ہی سائیکل کو روکا جاتا تھا۔ (جنگ) زمانے کی تیز رفتار ترقی کے باوجود سائیکل اب بھی سڑکوں پر دوڑتی نظر آتی ہے، البتہ جدید سائنس کی بدولت سائیکل میں اتنی نمایاں ترقی ہوچکی ہے کہ بعض سائیکل، پر سائیکلوں کا نہیں، موٹر سائیکل کا گمان ہوتا ہے۔

آج کے دور میں بچوں کے واسطے خوبصورت سے خوب صورت سائیکلیں کمپنیاں تیار کر رہی ہیں، جن میں چھوٹی سے چھوٹی سائیکلیں بچوں کے دل و دماغ پر بہت گہرا اثر چھوڑتی

ہیں، بچے دوسروں کی سائیکلیں دیکھ دیکھ کر والدین سے اپنے لیے بھی منگوانے پر بضد ہوجاتے ہیں، بچے انھیں شوق سے لے کر گلی گلی اور محلے محلے دوڑتے پھرتے ہیں، رشتہ داریوں میں جا کر دوسرے بچوں کو سائیکل چلانے کا ہنر بتاتے اور اپنے فن کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں، جس کام کو کرنے کے لیے بچے آنا کانی کیا کرتے تھے، بات کو ٹال دیا کرتے تھے اور گھر والوں کی باتوں کو سنی ان سنی کر دیا کرتے تھے، سائیکل ملنے کے بعد وہی لڑکے فرماں بردار بن جاتے ہیں اور ماں سے پوچھ پوچھ کر کام کرنے کے لیے بیتاب دکھائی دینے لگتے ہیں، کیونکہ کہیں جانے کی خاطر وہ اپنی سائیکل کو کام میں لانے کا ایک بہانہ تلاش کرلیا کرتے ہیں۔

سائیکل سے بچوں کو بے انتہا محبت ہوتی ہے، اسے وہ اپنی ذاتی ملکیت کے طور پر دیکھتے ہیں، صبح اٹھتے ہی اس کی صفائی میں مشغول ہوجاتے ہیں اور کہیں خراب ہوجانے کی صورت میں اسے خود بخود درست کرلیا کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بچوں کے لیے کہانیاں اور نظمیں لکھنے والے حضرات سائیکل پر نظمیں اور کہانیاں لکھتے رہتے ہیں، جنھیں بچے شوق سے پڑھتے ہیں اور سائیکل چلاتے وقت اسے گنگنایا کرتے ہیں۔

پہلے زمانے میں عموما لوگ اتنے خوش حال نہیں ہوا کرتے تھے جتنے کہ آج کل کے لوگ ہیں، چار پہیے کی گاڑیاں تو دور، دو پہیے کی گاڑی بھی کسی کسی کے پاس ہوا کرتی تھی، سائیکل جس کے پاس ہوتی تھی وہ بہت خوش حال سمجھا جاتا تھا، گاؤں گھر میں کسی کے یہاں سائیکل آجاتی تھی تو لوگ اس کو دیکھنے اور چھونے کے لیے پہنچتے تھے، مالک تو اپنے آپ کو بہت بڑا آدمی تصور کرتا تھا، اسی لیے شہر کے بچے؛ جن کے گھر سائیکل نہیں رہتی تھی، وہ کرایے کی سائیکل لے کر ایک دو گھنٹہ چلا کر اپنی حسرت پوری کرتے تھے، اس کرایے کی ادائیگی کے واسطے وہ اپنے جیب خرچ کو روک کر کرایہ کے پیسے جمع کرنے کے لیے بچاتے تھے، کتنے سائیکل مرمت کرنے والے باقاعدہ بہت سی سائیکلیں کرایہ پر چلانے کے لیے جمع رکھتے تھے اور اس سے اچھی خاصی کمائی کرتے تھے۔

آج بھی سائیکل نہایت کارآمد ہے، سامانوں کی پھیری لگانے والے شہر سے کرایہ کی سائیکل حاصل کر کے دیہات دیہات جا کر سامان بیچتے رہتے ہیں اور شام کو وہ سائیکل مع کرایہ واپس کر دیتے ہیں، پہلے کے زمانے میں یہ کرایہ والی سہولت شہروں میں تو ملتی تھی مگر دیہات وقصبات اس سہولت سے محروم تھے۔ تاجر پیشہ افراد تو کرایہ کی سائیکل مجبوری کی وجہ سے حاصل کرتے تھے مگر بچے اسے شوقیہ استعمال کرتے تھے اور اپنے دل کی حسرت یوں پوری کرتے تھے۔ سائیکل کے عام رواج کی وجہ سے شہروں میں 'سائیکل اسٹینڈ' بھی بنے ہوتے تھے۔ سرکسوں میں اب بھی سائیکل کو کسی نہ کسی شکل میں اپنے کرتب دکھانے کے واسطے چلایا جاتا ہے، جس میں ایک پہیہ کی سائیکل پر ماہرینِ سرکس چلتے اور گروپ میں چلاتے ہیں۔ پرانی فلموں میں سائیکل کو ہیرو اور ہیروئنیں بھی چلاتی اور اس پر بیٹھ کر گانا گاتی تھیں۔ رفتہ رفتہ اب سائیکلیں کم ہوتی جاتی ہیں، اس کو چلانے والے اب موٹر سائیکل چلانے لگے ہیں، پھر بھی بچوں کی یہ محبوب سواری باقی رہے گی اور کبھی ختم نہیں ہوگی۔

{تعارف ستمبر 2021 کے شمارے میں شائع ہوچکا ھے}

■

Ansar Ahmad
Baluwa Kurthi
Jafarpur- 275305
Mau (UP)
Mob: 8853214848
ansarahmad3567@gmail.com

پیارے بچوں کے لیے نصیحت

متین الدین

بچو! یہ جو روز کا شور وغل محلے میں دیکھتے ہو یہ کیا ہے؟ وہ بیچارہ روز اپنی ضروریات زندگی کے لیے گھر سے کتنے سلیقے سے نکلتا ہے۔ سر پر لال رومال جو اس کی سنجیدگی کی گواہی دیتا ہے۔ صاف ستھرا سلیقے کا لباس زیب تن کیے ہوئے جب سڑک پر بچوں کو نظر آتا ہے تو بچہ اس پر ایک فقرہ کس دیتا ہے 'سک گئی' جیسے ہی یہ جملہ اس کے کانوں میں پڑتا ہے اس کا جسم نفسیات کا شکار ہوجاتا ہے اور اپنا آپا کھونے لگتا ہے مغلظات وگالیوں کی بوچھار کرنے لگتا ہے۔ پھر کیا اس کی گالیوں کی گونج سے سارے بچے اپنے گھروں سے باہر نکل آتے ہیں اور ہر بچے کے منہ سے بس یہی آواز نکلتی ہے 'سک گئی'، 'سک گئی' کوئی بچہ بھی اس کی گندی سے گندی گالی کا برا نہیں مانتا۔ یہاں تک کہ بڑا آدمی بھی کوئی ہنس کے نکل جاتا ہے۔ کوئی بچوں کو ڈپٹ کر نکل جاتا ہے، کسی کو وہ خود پکڑ کر مار دیتا ہے۔ بچوں کے چھیڑنے کا یہ سلسلہ بدستور جاری رہتا ہے۔ یہ حالات دیکھ کر میں ہر وقت اس وہم میں مبتلا رہتا کہ یہ لفظ نہ کوئی گالی ہے نہ کوئی معنی خیز جملہ ہے۔ نہ کوئی تشبیہ یا استعارہ ہے بلکہ میری نظر میں ایک مہمل جملہ ہے۔ پھر یہ اس جملے سے اتنا پریشان کیوں ہوجاتا ہے۔ شاید اگر وہ بچوں کے اس جملے 'سک گئی' کہنے سے پریشان اور شرمندہ ہونا چھوڑ دے تو بچے دو دن کے بعد ہی چھیڑنا بند کردیں گے اور اس کی زندگی اپنے معمول پر آجائے گی لیکن نہ وہ کھسیانے سے رکتا ہے نہ بچے اپنی حرکت سے باز آتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ جب تک اپنی ضروریات پوری کرکے گھر میں قید نہیں ہوجاتا اس کے ساتھ یہی سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

اسی طرح وہ دوسرا بچہ حسین وجمیل قدرت کا ایک خوبصورت نمونہ، بس قدرت نے اس کے ایک گال پر چمکتا ہوا لال نشان ہی تو بنا دیا تھا۔ بچوں نے اسے 'لال بہو، لال بہو' کہہ کر اس حد تک چڑایا کہ وہ اپنے مذاق کی تاب نہ سکا اور گھر میں قید ہوگیا۔ آج سارے بچے جوان ہوگئے اور وہ بچہ بھی جوان ہوگیا۔ لیکن ایک ساتھ وقت گزارنے کے باوجود بچے اس کی صورت دیکھنے سے ترس گئے اور وہ بچوں کی صورت دیکھنے سے ترس گیا اور گھر میں اس طرح دبک کر بیٹھ گیا کہ بچوں کو اس کی صورت دیکھنے کے لیے اس پر پیار آتا ہے، اس طرح کی اور بھی بہت مثالیں موجود ہیں۔

ٹھہریے اور دماغ کے دریچے کی کھڑکی کھولیے اور غور کیجیے کیا وہ اس دنیا میں اسی لیے آئے تھے کہ اپنے گھروں میں قید ہوکے رہ جائیں، ان کے اندر جھانک کر تو دیکھو کہ وہ اپنے سینوں میں کس حد تک ارمان چھپائے بیٹھے ہیں۔ کیا یہ اپنے

خوابوں کی دنیا کو چھوڑ کر کسی اور اجنبی دنیا میں چلے جائیں ذرا ہوش کے ناخن لو۔ معلوم ہے اللہ نے انسانوں کو انسانیت کا کیا درس دیا ہے۔

قرآن پاک کا ارشاد ہے ''ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخش دی ہے، لہٰذا تمھیں ہر انسان کا احترام کرنا ہے۔''

جس کتاب کی عقیدت تمھارے عقیدے میں شامل ہو، جس کے بارے میں تھوڑے سے بھی نازیبا کلمات پر تمھارا خون کھول اٹھتا ہو اس کے فرمان کی تم گلی محلوں میں دھجیاں اڑاؤ مذاق بناؤ، پھر بھی اپنے آپ کو پکا سچا مسلمان کہلاؤ۔ ذرا آپ اپنے ذہن کو ٹٹول کر دیکھیے جس ذہن کی تم نے ابھی کھڑکی کھولی ہے، تمھارا ذہن ضرور تمھارے ضمیر کو جھنجھوڑ رہا ہوگا، ایسا تو جانور بھی نہیں کرتے وہ بھی کسی مقصد کے تحت ہی کسی جانور کا شکار کرتے ہیں۔ انسان ہیں کہ بے مقصد ہی کسی کی دنیا اجاڑنے پر تلے ہوئے ہیں۔

مذہب ہمیں انسانوں ساتھ رہنے کا سلیقہ سکھاتا ہے یعنی ہر انسان کی عزت اور احترام صرف زبانی یا اعتقاداً نہیں بلکہ تمھارے عمل سے انسان یہ محسوس کرے کہ ان بندوں کے لیے مذہب، ذات برادری، نسلی امتیاز اور امیر غریب کا، کالے گورے کا فرق کوئی معنی نہیں رکھتا، جیسے انسانی جسم کے کسی عضو میں تکلیف ہونے پر سارا جسم بے چین ہو اٹھتا ہے ایسے ہی یہ بندے کسی انسان کو تکلیف میں دیکھ کر ہمدردی کے لیے بے چین ہو اٹھتے ہیں اور یہ عمل کسی لالچ یا سماجک محبت میں نہیں کرتے بلکہ ایسا عمل کرنے کے لیے انھیں ان کا مذہب سکھاتا ہے۔

میرے پیارے بچو! اپنی عقل سلیم سے ذرا دنیا کا مشاہدہ تو کیجیے کہ اللہ نے تمام انسانوں کی صورتیں ایک سی نہیں بنائیں، ہاتھوں پر بنی ہوئی لکیریں ایک سی نہیں بنائیں، ہاتھوں کی لکھی ہوئی تحریریں ایک سی نہیں بنائیں۔ ایک ہانڈے کے پکے ہوئے سالن کا ذائقہ سب کے لیے ایک سا نہیں بنایا۔ اسی طرح ہر انسان کی سوچ اور خیال بھی ایک سا نہیں بنایا۔ میرے بچو! اگر اللہ ان ساری چیزوں کو یکسانیت میں تبدیل کر دیتا تو شاید (اگلا جملہ لکھتے ہوئے میرا قلم جنبش کھا رہا ہے کہ کہیں میں احساسِ برتری میں تو نہیں لکھنے لگا) دنیا کا وجود ہی قائم نہیں ہوتا کیونکہ دنیا کے ہر دانشور نے دوسرے کے خیال کا احترام کرتے ہوئے اس پر (ریسرچ) و تجربہ کیا ہے۔ مختلف خیالوں پر غور و فکر کرنے کے بعد ہی آج دنیا اتنی خوبصورت ہے۔

پیارے بچو! ان مختلف خیالات سے فائدہ اٹھاؤ اور خیالات کے ٹکراؤ پر لڑنا جھگڑنا چھوڑ دو۔ اچھا بتاؤ ان خیالات کے ٹکراؤ کی جنگوں سے دنیا کو اب تک کیا حاصل ہوا؟

وہ معصوم بچے جو ابھی تخیل کی دنیا سے نابلد تھے، لاشعوری اور کم سنی میں تمھارے تخیل کے ٹکراؤ کی بھینٹ چڑھ گئے۔ کل آخرت میں اللہ کے سامنے تم سے یہ سوال کر بیٹھے کہ اللہ ہمارا ایک سوال ہے ہمیں کس جرم کی پاداش میں قتل کر دیا گیا۔ اتنی بڑی دنیا تیری اور ہم معصوموں کے لیے تنگ کر دی گئی کیا قصور تھا ہمارا جو ہمیں جینے نہیں دیا گیا تو کیا ساری انسانیت کے پاس ان معصوموں کے سوالوں کا جواب ہے؟

میرے پیارے بچو! میں مزید نصیحت کرتا ہوں کہ ہر انسان کے خیال کا، اس کی عزت کا، اس کے مال کا، اس کی جان کا، صدقِ صد احترام کرو اور اس تصوراتی جنت سے پہلے اس دنیا کو حقیقی جنت کا نمونہ بنا دو۔

■

Matinuddin
Tap.: Umri Kalan
Distt.: Moradabad - 242501 (UP)
Mob.: 9690287383

رازدان شاهد

باپ: محبت وایثار کا پیکر

باپ! اس لفظ کے آتے ہی ذہن کے کتنے دریچے کھل گئے۔ 'باپ' اردو زبان کا لفظ ہے اور یہ تین حرفوں کا مجموعہ ہے یعنی 'ب' سے برکت وبزرگی والا... 'الف' سے اساس واصل اور آبیاری والا... اور 'پ' سے پیارومحبت۔ انگریزی، اردو، فارسی بلکہ تمام زبانوں میں ایسا کوئی لفظ موجود ہی نہیں جس کو استعمال کر کے 'باپ' کی ہستی کو بیان کیا جاسکے، یا باپ کے مکمل روپ کی عکاسی ہو سکے۔ بھلا کیسے ممکن ہے کہ کُل کائنات کو کسی ایک یا چند الفاظ میں سمیٹ لیا جائے... کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

مجھ کو چھاؤں میں رکھا اور خود بھی وہ جلتا رہا
میں نے دیکھا اک فرشتہ باپ کی پرچھائیں میں

باپ اور اس کے بچے کے درمیان کا رشتہ بھی عجیب ہوتا ہے، جو صرف احساسات پر مبنی ہوتا ہے۔ جس کو آپ محسوس کر سکتے ہو، مگر کبھی بھی اس کی محبت میں الفاظ آپ کو نہیں ملیں گے۔ ماں تو اپنے بچے کو سینے سے لگا کر پیار کرتی ہے اور لفظ بول کر اپنی محبت کا اظہار کر دیتی ہے۔ مگر باپ تو یہ اظہار بھی نہیں کر پاتا۔ باپ وہ ہستی ہے جو اپنے اہل خانہ کی کفالت کے لیے دن رات جتا رہتا ہے۔ نہ اس کو اپنے آرام کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ ہی اپنی صحت کی۔ وہ اپنے دن رات اس جدو جہد میں صرف کرتا ہے کہ کچھ اور محنت کرلوں تو اپنے بچوں کا مستقبل محفوظ کرلوں۔ اپنی اولاد کی ہر اس خواہش کو پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے جو وہ اپنے بچپن میں پوری نہیں کر پایا۔ کسی نے سچ کہا کہ خواب اور عیاشی تو صرف باپ کے پیسوں سے پوری ہوتی ہے، اپنی کمائی سے تو صرف گزارا ہی ہوتا ہے۔ باپ وہ ہستی ہے جو دن کو دن نہیں سمجھتا۔ راتوں کو بھی فکر معاش میں بے چین رہتا ہے۔ باپ کبھی ہمیں اپنی پریشانی یا الجھن نہیں بتاتا بلکہ خود دیوار کی مانند ہر مشکل اور دشواری کا سامنا کرتا ہے۔ باپ اک چھت کی مانند ہوتا ہے جس طرح اک چھت گھر کے مکین کو موسم کے سرد گرم ماحول سے، آندھی طوفان، گرج چمک اور گھنگھور گھٹا سے محفوظ رکھتی ہے، اسی طرح باپ

بھی ہمیں تحفظ دیتا ہے۔

باپ ہی ایسی ہستی ہے جو آپ کو خود سے بھی زیادہ کامیاب دیکھنا چاہتی ہے۔ باپ ایک ایسی کتاب کا نام ہے جس پر بہت سے تجربات تحریر ہوتے ہیں جو زندگی گزارنے میں رہنمائی فرمانے کے ساتھ ساتھ زندگی کا اصل مطلب بھی بتایا کرتے ہیں، باپ کی شفقت وسرپرستی اور ماں کا سایہ انسان کو زندگی کی معراج تک لے جاتا ہے۔ ہمارے ہاں عموماً ماں کی شان میں بے شمار الفاظ لکھے اور بیان کیے گئے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں ماں کی خدمت اور اطاعت کرنے پر زور دیا جاتا ہے جو یقیناً درست بھی ہے۔ ماں کی محبت تو ہر کسی کو نظر آتی ہے مگر باپ کی شفقت عموماً ڈانٹ ڈپٹ میں دب کر رہ جاتی ہے، حالانکہ ماں کی شفقت اور باپ کی ڈانٹ ڈپٹ دونوں ہی تربیت کے اہم ترین جز ہیں، جنھوں نے اپنے باپ کی سختی برداشت کی، انہی کو جہان میں کمال حاصل ہوا۔ باپ کا درجہ بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا ماں کا۔ میں نے بہت بڑا باہمت انسان اپنے والد محترم کو پایا۔ انھوں نے ہمت کبھی نہیں ہاری۔ ہماری جتنی کامیابیاں ہیں وہ سب باپ کی ہی بدولت ہوتی ہیں اور انہی کے لیے ہوتی ہیں میں اگر اپنی بات کروں تو مجھے میرے والد صاحب نے بولنے اور چلنے کے ساتھ ساتھ لکھنا بھی سکھایا۔ مجھے اس معاشرے میں سانس لینا سکھایا۔ میرے کندھے پر تھپکی دے کر مجھے منزل تک پہنچایا۔ ہر قدم پر آنے والی مشکلات سے بچایا۔ میں گر جاتا تو مجھے اٹھنا سکھایا۔ میں ہار کے ڈر سے اگر پیچھے ہٹ جاتا تو مجھے حوصلہ دیا۔ والد صاحب نے ہمیں وہ سب کچھ سمجھایا جو بیان کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ہماری خواہشات کا اتنا خیال ہوتا ہے کہ ہمارے چہرے پر اداسی آنے سے پہلے ہی من چاہی چیز ہاتھ میں تھما دیتے۔

یہ بات سچ ہے مرا باپ کم نہیں ماں سے

بیٹیاں باپ کی آنکھوں میں چھپے خواب کو پہچانتی ہیں
اور کوئی دوسرا اس خواب کو پڑھ لے تو برا مانتی ہیں

—افتخار عارف

مجھ کو تھکنے نہیں دیتا یہ ضرورت کا پہاڑ
میرے بچے مجھے بوڑھا نہیں ہونے دیتے

—معراج فیض آبادی

یہ سوچ کے ماں باپ کی خدمت میں لگا ہوں
اس پیڑ کا سایا مرے بچوں کو ملے گا

—منور رانا

عزیز تر مجھے رکھتا ہے وہ رگ جاں سے
یہ بات سچ ہے مرا باپ کم نہیں ماں سے

—طاہر شہیر

مدت کے بعد خواب میں آیا تھا میرا باپ
اور اس نے مجھ سے اتنا کہا خوش رہا کرو

—عباس تابش

وہ وقت اور تھے کہ بزرگوں کی قدر تھی
اب ایک بوڑھا باپ بھرے گھر پہ بار ہے

—معین شاداب

گھر کی اس بار مکمل میں تلاشی لوں گا
غم چھپا کر مرے ماں باپ کہاں رکھتے تھے

—نامعلوم

ان کے ہونے سے بخت ہوتے ہیں
باپ گھر میں درخت ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے اولاد کو اپنے والدین کے حق میں رحمت و مغفرت کی دعا بھی سکھائی۔ اے میرے رب میرے والدین پر رحمت کاملہ نازل فرما جس طرح کہ انھوں نے میرے ساتھ رحمت کا معاملہ کیا اور باپ کی خدمت و احترام سے دنیا اور آخرت میں کامیابی ملتی ہے۔ باپ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور باپ سچے جذبے اور صادق رشتے کا نام ہے، جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ باپ کی عظمت سے کوئی بھی انسان، دین، مذہب، قوم اور فرقہ انکار نہیں کرسکتا۔ باپ کا رشتہ ہر غرض بناوٹ اور ہر طرح کے تقاضے سے پاک ہوتا ہے۔ باپ کا مقام بیان کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا باپ جنت کے دروازوں میں بیچ کا دروازہ ہے اگر تو چاہے تو اس دروازے کی حفاظت کر یا اس کو ضائع کردے۔ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے، لیکن جنت میں داخل ہونے کے لیے اس کے دروازے سے گزرنا ضروری ہے جو کہ باپ ہے۔ دروازے سے گزرے بغیر جنت میں داخل ہونا یقیناً ناممکن ہے۔ ایک موقع پر ایک صحابی رسول آکر آپؐ کی خدمت میں شکایت کرنے لگے کہ میرے باپ میرے مال سے خرچ کرنا چاہتے ہیں ایسے موقع پر میں کیا کروں۔ آپؐ نے جواب دیا تو اور تیرا مال تیرے باپ ہی کے لیے ہے۔

باپ جو اولاد اور اس کی والدہ (ماں) کا بھی محافظ ہوتا ہے۔ ماں اولاد کو نو مہینے پیٹ میں پالتی ہے جبکہ باپ ساری عمر اولاد کو اپنے دماغ میں پالتا ہے۔ بچے کو بھوک ستائے تو یقیناً ماں اسے کھانا دیتی ہے، لیکن وہ کھانا کما کر لانے والا نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ اولاد کی ہر ضرورت ماں کے ذریعے پوری ہوتی ہے اور ماں کو وہ ضروریات پوری کرنے کے اسباب فراہم کرنے والا باپ ہی ہوتا ہے... باپ اپنی اولاد اور ان کی ماں کی خاطر سارا دن سڑکوں کی خاک چھانتا ہے، دوسروں کی غلامی کرتا ہے، اچھی بری باتیں برداشت کرتا ہے پردیسوں کی خاک چھانتا ہے اور سب کچھ کر کے جو کچھ حاصل کرتا ہے سب اپنی اولاد کے اوپر خرچ کر دیتا ہے۔

(1) اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی اِطاعت باپ کی اِطاعت کرنے میں ہے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی نافرمانی باپ کی نافرمانی کرنے میں ہے۔ (معجم اوسط، ج1، ص614، حدیث: 2255)

(2) اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے۔

(ترمذی، ج3، ص360، حدیث: 1907)

اگر کسی کے باپ نے اپنے باپ کے ساتھ برا سلوک کیا ہے تو اس کی اولاد کو یہ اِجازت نہیں کہ وہ بھی اپنے باپ کے ساتھ بدسلوکی ہی کرے۔ یاد رکھیے! ''سب گناہوں کی سزا اللہ تعالیٰ چاہے تو قیامت کے لیے اٹھا رکھتا ہے مگر ماں باپ کی نافرمانی کی سزا جیتے جی دیتا ہے۔''

(مستدرک حاکم، ج5، ص216، حدیث: 7345)

اس پرفتن دور میں بھی جہاں والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے موجود ہیں، وہیں بدسلوکی کرنے والوں کی بھی کمی نہیں۔

ایک عقلمند باپ نے اپنے عقلمند اور باادب بیٹے کے دونوں کاندھوں پہ ہاتھ رکھا اور کہا بیٹے بتاؤ اس دنیا میں سب سے بڑا طاقتور کون ہے؟

اس نے جواب دیا... میں۔

پھر باپ نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے کاندھوں سے اٹھائے اور کہا اس کائنات میں سب سے زیادہ کمزور کون ہے؟

اس نے جواب دیا... میں۔

باپ نے اپنے بیٹے سے کہا میرے بیٹے ایک ہی مجلس میں تم نے کہا سب سے طاقتور میں ہوں اور سب سے کمزور بھی میں ہوں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ عقلمند بیٹے نے جواب دیتے ہوئے کہا، میرے ابو جان! جب آپ کے دونوں ہاتھ میرے کاندھوں پر تھے تو سب سے بڑا طاقتور میں تھا اور جب آپ نے دونوں ہاتھ میرے کاندھوں سے اٹھا لیے تو سب سے زیادہ کمزور میں ہوگیا....

باپ کا حکم مانو تاکہ خوش حال ہوسکو، باپ کے سامنے اونچا نہ بولو ورنہ اللہ تم کو نیچا کردے گا، جو باپ اور استاد کی مار برداشت کرتا ہے وہ دنیا کی مار سے بچ جاتا ہے، باپ ایک مقدس محافظ ہے جو ساری زندگی خاندان کی نگرانی کرتا ہے، باپ ایک ذمے دار ڈرائیور ہے جو گھر کی گاڑی کو اپنے خون پسینے سے چلاتا ہے، باپ سے بہتر کوئی غمخوار نہیں، باپ سے بہتر کوئی دردمند نہیں، باپ سے بہتر کوئی استاد نہیں، باپ ایک سورج کی مانند ہے جو گرم تو ضرور ہوتا ہے لیکن اگر نہ ہو تو زندگی میں اندھیرا ہوتا ہے۔ اپنے باپ کا ادب کرنے والے لوگ ہی اپنی اولاد کے سامنے لائق احترام ٹھہرے ہیں۔ باپ کی نصیحتیں سننے والوں کو کبھی لوگوں کی باتیں نہیں سننی پڑتیں۔ جن کی نگاہیں باپ کے سامنے جھکی رہتی ہیں وہی دنیا کے سامنے سر اٹھا کر جی سکتے ہیں۔ باپ کی زندگی تو اولاد کے لیے مستقبل کا ایک آئینہ ہوتی ہے جس میں دیکھ کر آگے سنبھل کر چلا جاتا ہے اور جو بھی اپنے باپ کے تجرباتِ حیات سے سیکھ کر آگے بڑھتا ہے وہ کسی بھی میدان میں ناکام نہیں ہوتا، اور نہ ہی وہ ہوسکتا ہے۔

ماں باپ کی رضا اللہ کی رضا ہے۔ ہم جتنے بڑے عالم ہوجائیں، عبادت گزار ہوجائیں، لاکھوں روپے اللہ کی راہ پر لٹادیں۔ چاہے جتنے اخلاق کا مظاہرہ کریں لیکن اگر ہمارا حسن سلوک اپنے والدین سے اچھا نہیں ہوا تو ہم سے زیادہ اللہ کے قہر کا حقدار کوئی نہ ہوگا۔ اگر جنت کی طلب ہے تو ماں جس کے قدموں تلے جنت ہے اور باپ جو کہ جنت کا دروازہ ہے، ان دونوں کو راضی رکھنا ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح رحم کرنا ہوگا جس طرح انھوں نے ہم پر رحم کیا۔ جب ہم گوشت کے ایک لوتھڑے کے سوا کچھ نہ تھے۔

جائیے کمایئے اپنی جنت۔ آپ کے باپ اگر ناراض ہیں تو منا لیجیے۔ جن کے باپ حیات ہیں ان کے پاس اب بھی موقع ہے کہ وہ دعاوں کا خزانہ جمع کرلیں۔ اللہ نہ کرے کہ دیر ہوجائے اور آپ اپنے باپ کا کچھ حق ادا کرنے سے بھی محروم رہ جائیں وقت گزر جائے تو واپس نہیں آتا۔ صرف یادیں رہ جاتی ہیں، اسی لیے ہمیں وقت کی قدر کرتے ہوئے ان لمحات کو خوبصورت بنالینا چاہیے۔ اس طرح وقت امر ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے والدین کی فرمانبرداری کرنے والا بنائے اور ہماری اولاد کو بھی ان حقوق کی ادائیگی کرنے والا بنائے، والدین کے ساتھ حسن سلوک ایک نہایت ہی بنیادی حق اور اہم ترین فریضہ ہے۔ اسی طرح ان کی خدمت و فرمانبرداری بھی ایک بہترین اطاعت ہے یہی وجہ ہے کہ ربّ العالمین نے والدین کے حقوق کو اپنے حقوق کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں صحیح معنوں میں والدین کی خدمت کی توفیق نصیب فرمائے اور ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے۔

■

Razdan Shahid
Abgila,
Gaya - (Bihar)
Mob.: 8507583990

نظم

اپنا چاند

متین اچلپوری

سب کو دکھائے سپنا چاند ہم سب کا ہے اپنا چاند
کیوں امریکہ، روس کا ہو گھر پختہ یا پھوس کا ہو
سب کو دکھائے سپنا چاند ہم سب کا ہے اپنا چاند
چین کا بھی، جاپان کا بھی ایران، انگلستان کا بھی
سب کو دکھائے سپنا چاند ہم سب کا ہے اپنا چاند
شہر کا بھی، دیہات کا بھی ممبئی کا، گجرات کا بھی
سب کو دکھائے سپنا چاند ہم سب کا ہے اپنا چاند
روپے پیسے والوں کا دہقان اور گوالوں کا
سب کو دکھائے سپنا چاند ہم سب کا ہے اپنا چاند
مزدور اور فنکار کا بھی مفلس کا زردار کا بھی
سب کو دکھائے سپنا چاند ہم سب کا ہے اپنا چاند
ہے یہ جوان اور پیر کا بھی دلی اور کشمیر کا بھی
سب کو دکھائے سپنا چاند ہم سب کا ہے اپنا چاند
ماں بیٹی یا بہنا ہے ان سب کا یہ گہنا ہے
سب کو دکھائے سپنا چاند ہم سب کا ہے اپنا چاند
سارے بچے بالوں کا دھرتی کے ان لعلوں کا
سب کو دکھائے سپنا چاند ہم سب کا ہے اپنا چاند
ہے یہ سچن، عمران کا بھی ہند کا پاکستان کا بھی
سب کو دکھائے سپنا چاند ہم سب کا ہے اپنا چاند
چاند پہ بسنے جو بھی چلے سب کو لگائے گا وہ گلے
سب کو دکھائے سپنا چاند ہم سب کا ہے اپنا چاند

{تعارف فروری 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں}

■

Mateen Achalpuri
Opp Masjid Biyabani
Achalpuri - 444806
Dist.: Amravati (Maharashtra)

شاهد جمیل

بچوں کے دوہے

بچوں کا پیغام ہے، بچوں کا پیغام
کھانا پینا، کھیلنا، سب سے اچھا کام!

کھانا پینا، کھیلنا، سب سے اچھی بات!
آیا ہے اِگزام تو، پڑھنا ہے دن رات

مجھے بلاکر باغ میں، کان میں بولا پھول
پڑھنے لکھنے کے لیے، جانا ہے اسکول

جائیں گے اسکول بھی، ہم تو روز ضرور
لیکن ٹی وی چھوڑنا، کبھی نہیں منظور!

باہر جاکر گھومنا، پاپا کی اِسکیم
لیکن ہم کو دیکھنا، گھر پر 'چھوٹا بھیم'

گلی میں چھپ کر دیر سے، کھیل رہے تھے تاش
'سِنگھم' آیا، دیکھ کر، بھاگ گئے بدمعاش

'موٹو پتلو' دیکھ کر، دیکھیں گے 'پرمین'
اچھا 'ڈوری مون' ہے، پیارا ہے 'شِن چین'

زُو میں دیکھا زیبرا، بندر اِک شیطان
پیٹھ پہ اُس کی بیٹھ کر، کھینچ رہا تھا کان

ہاتھی چلتا، جھومتا، پنکھوں جیسے کان
کتنی لمبی سُونڈ ہے، کتنی اونچی شان!

پھدک رہے ہیں شان سے، ٹرٹر کرتے، یار
تھوڑی سی برسات میں، سو مینڈک تیار

کچھوا اور خرگوش میں، کس کے لمبے ہاتھ؟
جو جیتے گا ریس میں، ہم ہیں اس کے ساتھ

تھپّڑ کھاکر اُڑ گیا، لیکن ابکی بار
مچھّر لنگڑی چال سے، چڑھتا ہے دیوار

تتلی رانی پھول سے، خوشبو خوب چرائیں
بھاگ رہا ہوں دیر سے، لیکن ہاتھ نہ آئیں

ہم جائیں بازار تو، کیا کیا موج اُڑائیں!
موموِ، برگر، چاؤمن، سب کچھ جم کر کھائیں

قلفی، آئس کریم سے، دیں گرمی کو مات
سورج غصّے میں کھڑا، پیس رہا ہے دانت!

سب سے اچھا ذائقہ، سب سے اچھا ڈوز
سنڈے ہو یا فرائڈے، انڈے کھائیں روز

منجو کا منچورین شاید کم پڑ جائے!
مونالیزا سے کہو، پیزا لے کر آئے

نعمت خانے میں چُھپے، رہتے ہم سے دُور
لڈو، پیڑے، برفیاں، سب کے سب مغرور

موج منانا کام ہے، باغ ہو یا میدان
ہر سنڈے کو چاہیے، پکنک کا سامان

رات کو دیکھا خواب میں، چُھٹی کا انبار
تیس دنوں میں کم سے کم، ہوں گے دس اِتوار

سڑک کے نیچے میٹرو، سڑک کے اوپر ٹرام
دونوں کی رفتار کا، کلکتہ ہے نام!

{تعارف مئی 2021 کے شمارے میں شائع ہوچکا ہے} ■

Shahid Jameel
202-R.D Mansion, Ashiana-Digha Road
(Opp.-Axis Bank), P,O.- B.V College
Patna - 800014
Mob.: 9471094149

نظم

فیض رتلامی

دیش کو آگے بڑھائیں گے

دیش کو آگے بڑھائیں گے سبھی ہم نونہال
کچھ نہ کچھ کر کے دکھائیں گے سبھی ہم نونہال
بجلی کڑکے لاکھ طوفاں آئے کوئی غم نہیں
یا تو یہ طوفاں نہیں یا اس کے آگے ہم نہیں
پار کشتی کو لگائیں گے سبھی ہم نوہال
دیش کو آگے بڑھائیں گے سبھی ہم نونہال
دیکھتی رہ جائے گی دنیا یہ پڑھ لکھ کے بھی ہم
کھیت میں محنت کریں گے اور بتا دیں گے ہے دم
دھان کھیتوں میں اگائیں گے سبھی ہم نونہال
دیش کو آگے بڑھائیں گے سبھی ہم نونہال
ہوگا جو کمزور تو اس کو سہارا دیں گے ہم
یہ جہاں دیکھے گا اک ایسا نظارا دیں گے ہم
گرنے والوں کو اٹھائیں گے سبھی ہم نونہال
دیش کو آگے بڑھائیں گے سبھی ہم نوہال
پھولوں سے مہکا کرے گا سارا یہ ہندوستاں
اس کی خاطر دل بھی حاضر اور حاضر ہے یہ جاں

پھول باغوں میں کھلائیں گے سبھی ہم نونہال
دیش کو آگے بڑھائیں گے سبھی ہم نونہال
کوئی بھٹکے گا نہیں اور بھوکا سوئے گا نہیں
اور اکیلے میں یہاں کوئی بھی روئے گا نہیں
رونے والوں کو ہنسائیں گے سبھی ہم نونہال
دیش کو آگے بڑھائیں گے سبھی ہم نونہال
فیض جو بھی چل پڑا منزل وہ اپنی پائے گا
کچھ نہ کچھ کر کے وہ دنیا میں دکھا کے جائے گا
ایسا کچھ کر کے دکھائیں گے سبھی ہم نونہال
دیش کو آگے بڑھائیں گے سبھی ہم نونہال

{تعارف دسمبر 2020 کے شمارے میں شائع ہوچکا ہے}

■

Faiz Ratlami
48, Samta Nagar (Anand Colony)
Ratlam - 457001 (MP)
Mob.: 7879690200

نظم

شخصیت کو اعلیٰ کرلو

شکیل سہسرامی

شخصیت کو بالا کرلو
خود کو حرمت والا کرلو
کام ہے سب سے اعلیٰ کرلو
حمد باری تعالیٰ کرلو
حسبِ ضرورت بولو بچو
منھ کو اپنے تالا کرلو
تم کو لیں سب ہاتھوں ہاتھ
خود کو مثلِ مالا کرلو
رشتہ رکھو علم سے خود کو
تعلیمی متوالا کرلو
بڑھ جائے گی عزت کافی
یاد پچاسوں قالا کرلو
کر کے نیکی لاکھوں بچو
اپنے کو صد سالہ کرلو
تم سے چمکے دنیا ساری
خود کو چاند کا ہالہ کرلو
اپنے کو تم بچو میرے
نرگس کرلو لالہ کرلو
پانی ہے گر جنت تم کو
کام شرافت والا کرلو
شخصیت کو اعلیٰ کرلو
خود کو عزت والا کرلو

{تعارف نومبر 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں}

■

Shakeel Sahsarami
Near Rahman Masjid
Samanpura, Raja Bazar
Patna- 800004 (Bihar)

نظم

اب پ ت ٹ ث

'الف' سے انار لکھو ببلو
'ب' سے باغ پڑھو لچھو
'پ' سے پانی کی ہو بچت
اور کبھی نہ ہو قلت

'ت' سے ترازو میں گن کر
وہ کھاتا ہے گھی شکر
'ٹ' سے ٹماٹر منگوانا
'ث' سے ثابت کھا جانا

'ج' سے جلدی آ راجو
'چ' سے چاول کھا بابو
'ح' سے حمد پڑھو بچو
'خ' سے خدا تحریر کرو

'د' سے دل اور 'ڈ' سے ڈھول
'ذ' سے ذرے ہاتھ میں رول
'ر' سے لکھ رب اور رحمٰن
'ڑ' پہ بنا اک 'ط' کا نشان

'ز' سے زخم لکھو چندا
'ژ' کو جورو لکھو مژدہ
'س' سے سانپ اور 'ش' سے شریر
'ص' سے صندوق 'ض' سے ضمیر

'ط' سے طوطا 'ظ' سے ظروف
شیریں ہیں اردو کے حروف
'ع' سے عورت 'غ' سے غلیل
'ف' سے فیل نہ ہومت کھیل

'ق' سے قمر اور 'ک' سے کنول
'گ' سے گلاب کا نہیں بدل
رضیہ، رادھا اور انجم
'ل' سے لکھنا سیکھو تم

'م' سے مٹکا 'ن' سے نل
'و' سے ورق اور 'ہ' سے ہل
بچو دوچشمی ہے 'ھ'
اخیر میں ہیں 'ی' اور 'ے'

حروفِ تہجی سیکھیں گے
اردو پڑھیں گے لکھیں گے

(تعارف دسمبر 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Abdur Razzaque Dil Kholapuri
(Dil Bharti House), Qazi PuraKholapur
Distt: Amravati - 444802 (Maharashtra)
Mob.: 7304485318

شفیق الدین شایاں

لوڈو

آؤ مل کر کھیلیں لوڈو
رضیہ، فرزو، ثانو، جگنو
لوڈو کا ہے ایسے چھکّا
جیسے دفتر میں ہے بابو
سانپ کا کھیلا کھیل رہی ہیں
صفیہ، حنا، عاشیقا، ایلو
اس کھیلے میں ایسا مزہ ہے
جیسے پھولوں میں ہے خوشبو
لوڈو میں سب کھوئے ہوئے ہیں
نرگس، بانو، پپو، گڈو
اس کی گوٹی رنگ برنگی
جیسے ہماری بولی اردو
جب بھی بیٹھے جیت کے اٹھے
فیصل کے ہے ہاتھ میں جادو
کھیلو شایاں آؤ تم بھی
ساتھ میں میرے بیٹھ کے لوڈو

(تعارف دسمبر 2021 کے شمارے میں شائع ہوچکا ھے)

■

Shafique Uddin Shayaan
C/o Koho-e-Adab
295/2/M/A.P.C Road, Raja Bazar
Kolkata -700009(W.B)
Mob.: 9330558938

آ گئی گرمی

فراق جلال پوری

سارے عالم پہ چھا گئی گرمی!
لو پھر اک بار آ گئی گرمی!!
کوٹ، مفلر، رضائی اور سویٹر
سب کا دامن چھڑا گئی گرمی!
لو کے جھکڑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے
ٹھنڈے کمروں میں آ گئی گرمی!
جس پسینے میں سب کو نہلایا
اس میں خود بھی نہا گئی گرمی
آم، انگور، سنترے، لیچی!
میوے کیا کیا کھِلا گئی گرمی!
بڑھ گئے بھاؤ فریج کولر کے
چکر ایسا چلا گئی گرمی!
دے گئی لطف برف و قلفی کے
میٹھے شربت پلا گئی گرمی!!
گھومیں شملہ کہ جائیں منسوری
چھٹیاں لے کے آ گئی گرمی!

■
Firaq Jalalpuri
Mohalla: Qazipura
Post: jalalpur,
Distt.: Ambedkar Nagar - 224149 (UP)
Mob.: 9758772746

شب کی تاریکی

رونق خلیقی

راہ میں خموشی ہے اور شب کی تاریکی
دیکھ کر یہ سناٹا میں نے آہ و زاری کی

ہائے میری تنہائی کارواں سے بچھڑا ہوں
گردشوں نے گھیرا ہے وقت نے بھی خواری کی

بن کے اے چمن زاروں مجھ کو گر ڈراؤ گے
میں تمھیں قسم دوں گا بادِ نوبہاری کی

گور سا اندھیرا ہے اور ہو کا عالم ہے
دیکھ کر میں حیراں ہوں، موت کی یہ باریکی

پرخطر سی راہوں میں دل لرز اٹھا میرا
زندگی پہ اے رونق موت نے سواری کی

مشکل الفاظ کے معانی

راہ: راستہ — خموشی: خاموشی — شب: رات — تنہائی: اکیلاپن
کارواں: قافلہ — بن: جنگل — باد: ہوا — نوبہاری: نئی بہار
گور: قبر

■
Rounaque Khaliqui
C/o Jalaluddin Bharnewale
Behind Unique Medical Store
Near Do Bhai Bidi Factory
Burhanpur - 450331 (MP)

تعلیم

نظم

فرقان احمد سردھنوی

ڈاکٹر فرقان احمد سردھنوی کا تعلق اتر پردیش کے قصبہ سردھنہ ضلع میرٹھ سے ہے۔ انھوں نے اردو میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ہے۔ اتر پردیش سرکار کے ایک اسکول میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کی تقریباً نصف درجن کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں جن میں اتر پردیش میں اردو غزل، انیس انصاری کی شخصیت اور فنی زاویے، انجنا ایک شخصیت ایک شاعرہ قابل ذکر ہیں۔ بچوں کے ادب پر بھی مضامین لکھتے رہے ہیں اور بچوں کے لیے نظمیں بھی مختلف رسائل میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

پیش آتے ہیں بڑے چھوٹے ادب تعظیم سے
مرتبہ اک روز مِل جاتا ہے یہ تعلیم سے

ہر بشر کے واسطے بے حد ضروری ہے یہ چیز
شوق سے حاصل کرو پھیرو نہ منھ تعلیم سے

اس حقیقت سے کوئی انکار کر سکتا نہیں
دور ہوتی ہے جہالت سر بسر تعلیم سے

خود شناسی، انکساری، عاجزی، سنجیدگی
ہوں گی حاصل ایسی ایسی خوبیاں تعلیم سے

شک نہیں اس میں کہ ٹیچر قوم کا معمار ہے
یہ سجاتا ہے بشر کو زیورِ تعلیم سے

اس سے بڑھ کر مشغلہ ہم کو نظر آتا نہیں
کیوں نہ دلچسپی رہے آٹھوں پہر تعلیم سے

ہم نے دیکھا اور سنا ہے ہر زمانے میں یہی
پست قوموں نے ترقی خوب کی تعلیم سے

غور سے سن لے زمانہ میری اس تقریر کو
ذہن و دل ہوں گے کشادہ دیکھنا تعلیم سے

باعثِ زینت ہے یہ سارے زمانے کے لیے
آپ بھی خود کو سجائیں زیورِ تعلیم سے

ڈھونڈ ہی لیتا ہے انساں منزلِ مقصود کو
عزم سے افکار سے تدبیر سے تعلیم سے

سنتا آیا ہوں بزرگوں سے یہ قولِ معتبر
فائدہ ہوتا ہے بے حد علم سے تعلیم سے

کاش اے فرقان دنیا کو خبر ہو جائے یہ
آدمی فی الواقعہ ہے آدمی تعلیم سے

■

Dr. Furqan Ahmad Sardhanvi
Mohalla: Budha Babu
Sardhana
Distt.: Meerut - 253001 (UP)
Mob.: 9927141402

سید عقیل احمد اودگیر

نظم

مشورہ

پڑھو لکھو، ہنر سیکھو، کرو محنت، بنو قابل
کوئی بھی کام کرنا ہو، چلو حق پر بنو عاقل

بنو قاری، بنو حافظ، بنو عالم، بنو فاضل
مگر دنیا و عقبیٰ سے کبھی رہنا نہ تم غافل

برا کہنے سے بھی بچنا برا سننے سے بھی بچنا
بروں سے دور ہی رہنا جو بننا ہو تمھیں اچھا

دِلوں میں گھر جو کرنا ہے رکھو شیریں زباں اپنی
کسی سے بغض نہ رکھنا، نہ رکھنا بدگمانی بھی

رہیں حالات جیسے بھی نہ منہ موڑو صداقت سے
غموں کا سامنا کرنا دلیری سے شجاعت سے

کسی کو بھی نہ دھوکا دو کمائی بھی کرو جائز
تکبر چھوڑ دو، رب سے ڈرو، بندے بنو عاجز

بھلی باتیں جو ہوں معلوم تو ان پر عمل کرنا
بھلے کاموں کو کرنے میں ہمیشہ ہی پہل کرنا

گناہوں سے بچیں ہردم بھلے اخلاق سیکھیں ہم
سدا مثبت خیالات اور اچھی سوچ رکھیں ہم

■

Syed Aqeel Ahmed
Assistant Teacher, 1-3-30,Qila Galli
UDGIR-413517 Dist Latur (Maharashtra)
Mob.: 7385191213

سارہ فیصل ایمان

تو کوشش اپنی جاری رکھ

راہیں کتنی مشکل ہیں
جینا دوبھر لگتا ہے
باتیں لوگ بناتے ہیں
دو کی چار سناتے ہیں
ان پہ کچھ بھی دھیان نہ رکھ
تو کوشش اپنی جاری رکھ
ٹھان لو اپنے من میں تم
کرنا ہے کچھ تم کو یہاں
چاہے لوگ کہیں کچھ بھی
جیت کو خود پہ طاری کر
تو کوشش اپنی جاری رکھ
پاؤں میں یہ جو چھالے ہیں
کل جیت کا مرہم لائیں گے
جو باتیں آج بناتے ہیں
ہمدرد وہ کل بن جائیں گے

تو ہمت اپنی باندھ کے رکھ
اور دل میں اپنے ٹھان کے رکھ
کچھ تجھ کو انوکھا کرنا ہے
تو کوشش اپنی جاری رکھ
ہر زخم ترا بھر جائے گا
جب محنت کا پھل آئے گا
بس شرط ہے اتنی سی سارہ
تو کوشش اپنی جاری رکھ
تو کوشش اپنی جاری رکھ

■

Sara Faisal
Shaikh Damupura
Mau - 275101 (UP)
Mob.: 7408984071

گرما گرم سموسے

سلمیٰ یوسف حسین

رمضان کا مبارک مہینہ تھا۔ امی باورچی خانے میں گرما گرم سموسے کڑھائی سے نکال رہی تھیں۔ نفیس، خوبصورت، سنہری تکونے دیکھ کر دل مچل اٹھتا ہے۔ اچانک یہ سوال میرے ذہن میں آیا کہ آخر اس کا موجد کون ہوگا۔

میں نے باجی کے کمرے پر دھاوا بولا اور کہا باجی مجھے بتائیں یہ سموسہ کس نے ایجاد کیا ہے۔ وہ کون ہے جس نے ہمیں اس نعمت سے نوازا ہے۔ باجی نے کہا۔ بھئی اس ننھی سی شے کی لمبی کہانی ہے۔ تو سنو!

سموسہ ہندوستان میں باہر کے ممالک سے آیا ہے۔ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے۔ وسط ایشیا، مصر، افریقہ، اور نہ جانے کہاں کہاں کا سفر کرتے کرتے یہ برصغیر پہنچا۔

پچھلے سال کالج سے وسط ایشیا کا ٹور دلچسپ رہا۔ مجھے سمرقند کی ایک چھوٹی سی دوکان میں تندور میں سکتے سموسوں کو دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ نہ کڑھائی میں کھولتا تیل نہ حلوائی۔ ایک لمبی قطار دکان کے آگے تندور کے کھلنے کی منتظر۔ گرما گرم چمکتے سموسے تندور سے نکلے اور پل بھر میں غائب ہوگئے۔ وسط ایشیا میں انھیں سموسہ نہیں بلکہ سمسک کہتے ہیں۔

10 ویں صدی کے عرب کھانوں کی کتاب میں بھی ان کا ذکر پایا جاتا ہے۔ 13 ویں صدی کے فارسی نسخے تین قسم کے سموسوں کا ذکر کرتے ہیں۔ سموسہ گوشتی، سموسہ حلوا اور سموسہ شیرین جو خشک میووں سے بھرا جاتا ہے۔

14 ویں صدی کے مغلیہ دور میں ورقی سموسوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ میرے بچپن میں رمضان میں دو قسم کے سموسے بنائے جاتے تھے، میٹھے اور نمکین۔ یعنی قیمے سے بھرے نمکین ناریل اور خشک میووں سے بھرے میٹھے۔ اب میٹھے سموسوں کی یادیں رہ گئی ہیں۔

تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ ہندوستان میں قطب الدین ایبک کی حکومت کی ابتدا ہوئی اور سموسہ دسترخوان پر

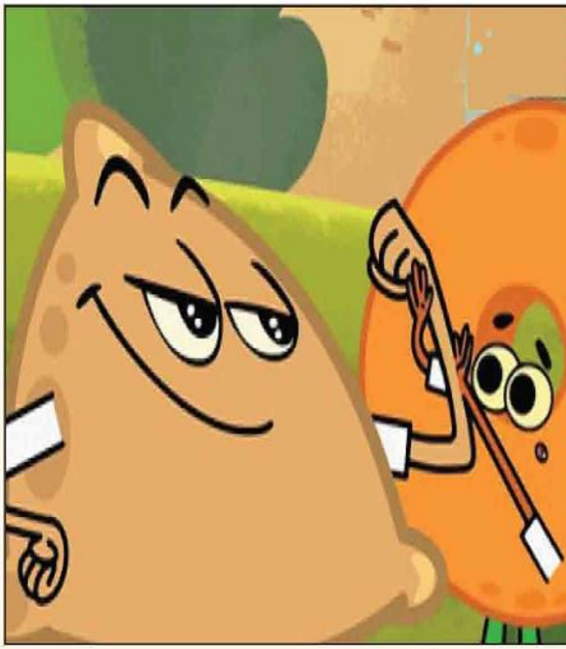

وارد ہوا۔ محمد بن تغلق کے زمانے میں دسترخوان پر بادام، پستہ اور اخروٹ سے بھرا سموسہ جو سنبوسک کہلاتا تھا پایا جاتا تھا۔

14 ویں صدی میں بیرونی سیاح ابن بطوطہ نے اسے درباری کھانا اور مشہور شاعر امیر خسرو نے شاہی کھانا بتلایا۔

سموسہ دنیا بھر کے ممالک میں مختلف شکل میں نظر آتا ہے۔ کہیں گول، کہیں تکونا، کہی چاند کی شکل نہ صرف دوسرے ممالک بلکہ ہندوستا میں بھی ہر صوبے میں اس کی شکل اور نام بدل جاتے ہیں۔ بنگال میں سنگارا، پنجاب میں سموسہ سنگھ، بمبئ میں پوری سموسہ الغرض جیسا دیس ویسا بھیس۔ ہندوستان کے ہر بڑے چھوٹے شہر بلکہ گاؤں اور دیہات میں بھی سموسہ ہر دلعزیز ہے اور چائے کا بہترین ساتھی سموسہ سفر کا بہترین ساتھی ہے۔ گھر کے کام کاج سے تھکی خاتون کا دوست۔ راہ چلتے مزدور کی بھوک کا سامان اور اسکول کے بچوں کی محبوب غذا۔

جامع مسجد کی گلیوں میں جاپانی سموسہ جو موموکی شکل ہے اور سڑک کے کنارے لگی دکانوں میں چینی سموسہ جو چاؤمن سے بھرا جاتا ہے۔

ہر موسم کا ساتھی۔ برسات کی بدلی میں گرمیوں کی سہانی شام، سردیوں کی ٹھنڈک، گرما گرم سموسہ وقت گذاری کا بہترین سامان۔

بیرونی ممالک میں یہ ہندوستانی سفیر بن کر جاتا ہے۔ انگلستان میں رہنے والی پروین وارثی سموسموں کی ملکہ کہلاتی ہے اور سموسہ بنانے والی 4 فیکٹریوں کی مالک ہے۔

سموسوں کے انعامی مقابلے بھی بڑے دلچسپ ہوتے ہیں۔ ساؤتھ افریقہ نے سموسوں کے مقابلے شروع کیے۔ کسی نے 60 سیکنڈ میں دس سموسے تیار کر لیے اور انعام پایا، کسی نے دس سیکنڈ میں دس سموسے کھالیے اور مقابلہ جیتا۔ سلمیٰ آگچی نامی خاتون نے چلی چکن سموسہ بنا کر بہترین سموسے کا انعام پایا۔

سموسہ بھی Vegetarian ہوگیا ہے۔ چونکہ ہندوستان کی ایک بڑی آبادی سبزی خور ہے۔ اس لیے اب سموسہ پنیر، آلو، مٹر اور کشمش کے ساتھ بھرا جاتا ہے۔ ان کی جسامت بھی بڑھ گئی ہے اور ثقیل ہوگئے ہیں۔

ارے بھئی یہ سموسہ تو بڑے کمال کی چیز ہے۔ دنیا کی سیاحت، ہر طرح کے ذائقے، ہر عمر و سال کا دوست، ہر محفل کی جان، بچوں کی پسند۔

آؤ بچو اب کھلائیں تمھیں گرما گرم سموسے!

{تعارف مئی 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں}

■

Salma Yusuf Husain
E-52, G.F. Sun City
Sector-54
Golf Course Rd.
Gurgaon - 122002 (Haryana)
Mob.: 9910143754

پانی کی اہمیت

سلطان آزاد

سلطان آزاد کا تعلق پٹنہ بہار سے ہے۔ 27 برسوں تک سرکاری اسکول میں بحیثیت مدرس خدمات انجام دے کر وظیفہ یاب ہو چکے ہیں۔ ان کا رجحان تحقیق اور تذکرہ نویسی کی طرف زیادہ ہے مگر بچوں کے ادب سے بھی خصوصی لگاؤ ہے۔ ان کی تخلیقات بچوں کے رسائل پیام تعلیم (دہلی)، باغیچہ (لکھنؤ)، بچوں کی دنیا وغیرہ میں شائع ہو چکی ہیں۔ ادب اطفال کے تحت ان کی دو کتابیں سانچ کو آنچ نہیں (کہانیاں) اور عظیم سائنس دانوں کی کہانیاں قابل ذکر ہیں۔

اکرم درجہ ہشتم (آٹھویں) کا طالب علم ہے۔ اس کے اور دوسرے بھائی بہن بھی زیر تعلیم ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے گھر کا بڑا لڑکا ہے۔ اسے ہر کام میں تیزی اور پھرتی تو ہے۔ لیکن غسل کرنے اور منہ ہاتھ دھونے میں اچھا خاصا وقت لگاتا ہے۔ جس کے باعث اس کے دوسرے معمولات پر اثر پڑتا ہے۔ والدین اکثر سمجھاتے ہیں کہ تمھارے چھوٹے بھائی بہن سبھی سویرے اٹھ کر منہ ہاتھ کی صفائی کے بعد فوراً غسل کر کے اسکول کی تیاری میں لگ جاتے ہیں لیکن تم صرف منہ دھونے اور نہانے میں وقت برباد کرتے ہو۔ اتنی اتنی دیر تک پانی بہا بہا کر منہ دھوتے ہو۔ اگر ٹوکا جاتا ہے تب تم چھپ کر دوسری جانب بیسن میں منہ دھوتے ہو۔ برش کرنے کے درمیان نل نہیں بند کرتے اس طرح بے جا پانی ضائع کرتے ہو۔ غسل میں بھی تمھارا وہی حال ہے اتنی اتنی دیر تک پانی بہا کر نہاتے ہو۔ غسل کے دوران صفائی اور صابن وغیرہ کے استعمال کے وقت نل کیوں نہیں بند کرتے۔ بالٹی میں پانی جمع کر کے جگ کے استعمال سے پانی حسب ضرورت خرچ ہوتا ہے اور غسل کا سارا معاملہ بھی حل ہو جاتا ہے لیکن تم اس عادت کو کیوں نہیں بدلتے۔ اکرم چپ چاپ والدین کی باتیں سنتا اور حسب عادت پانی بے دریغ خرچ کرتا۔ کبھی کبھی تو سپلائی پانی بند ہونے پر ٹنکی میں جمع پانی کا استعمال کرنا پڑتا۔

اپنی اس بری عادت کے سبب اکثر اُسے بھاگ دوڑ کر

اسکول جانا پڑتا۔ اسکول سے بھی شکایت ملتی کہ پینے کے پانی سے منہ ہاتھ دھونے میں نل کھول کر پانی بہاتا ہے۔ جمعے کے روز ہزار تاکید کے باوجود نہانے میں اتنا وقت لگا دیتا کہ جمعہ بھی صحیح ڈھنگ سے ادا نہیں کر پاتا۔ صرف جماعت کے وقت پہنچتا۔ حالانکہ اس کے والد نے سمجھایا کہ جمعے کا اصل مقصد صرف نماز کی ادائیگی نہیں بلکہ جمعے کے دن تقریر اور خطبے کا سننا واحب ہے۔

ایک بار عید کے دن بھی اس نے نہانے میں اتنا وقت لگا دیا کہ سبھی گھر والے عیدگاہ چلے گئے تب وہ غسل سے فراغت پانے کے بعد جلدی جلدی میں ٹھیک ڈھنگ سے کپڑے پہنے بغیر ہی دوڑتا، ہانپتا عیدگاہ پہنچا جہاں عید کی نماز ختم ہو چکی تھی۔ وہ نہ صرف شرمندہ ہوا بلکہ آس پاس کے لوگ اسے اس کی کاہلی پر گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ اس دن اکرم بہت مایوس اور شرمندہ ہوا تھا۔ گھر واپس آنے پر والد اور اس کے دوسرے چھوٹے بھائی بہن بار بار یہ طعنہ دے رہے تھے کہ تمھارا نہانا بھی عجب ہے۔ نہانے میں اتنا وقت اور پانی کیوں ضائع کرتے ہو؟ پانی اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے اور اسے بلاوجہ یونہی ضائع کرنا غلط بھی ہے اور گناہ بھی۔

اس رات اس کے والد بازار سے کچھ سامان کے ساتھ ایک کتاب بھی خرید کر لائے۔ جو دراصل اصلاحی مضامین کا ایک مختصر مجموعہ تھا جو صرف کم عمر اور طالب علموں کی اصلاح پر مبنی تھا۔ اس کتاب کا نام 'اصلاحی اور دینی مضامین' تھا۔ اس کتاب کو اکرم کے حوالے کرتے ہوئے کہا لو یہ کتاب پڑھو یہ نہ صرف کتاب ہے بلکہ ایک علمی تحفہ ہے۔ اس رات اکرم مذکورہ کتاب پڑھتا رہا۔ جس میں اللہ کی قدرتی نعمتوں کا ذکر تھا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ سورج کی دھوپ، ہوا اور پانی کی کتنی اہمیت اور ضرورت ہے پانی کے بغیر انسان کا زندہ رہنا ناممکن ہے۔ پانی نہ صرف پینے میں کام آتا ہے بلکہ ہم جو غذا تیار کرتے ہیں اس میں پانی کا بڑا دخل ہے۔ کھانے کے بعد پانی پی کر ہم کھانے کو ہضم کرتے ہیں جس سے جسم کی قدرتی بناوٹ برقرار رہتی ہے۔ اگر انسان کے جسم سے کسی بیماری یا دوسری وجہ سے پانی نکل جائے یا ختم ہو جائے تو اسے فوراً دوا والا پانی دیا جاتا ہے۔ پانی ہے تو صفائی ممکن ہے۔ پانی کی حفاظت انسان کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اگر پانی سبھی جگہوں پر اور سبھی لوگ بے دریغ خرچ کریں گے یا یونہی بہائیں گے تو ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ پانی کی تلاش میں کافی دور دور بھٹکنا پڑے گا۔ جیسا کہ ریگستانوں میں ہوتا ہے۔ ریگستان کے لوگ تھوڑے سے پانی حاصل کرنے کے لیے دور دور تک جاتے ہیں۔

اگلی صبح اکرم سویرے اٹھ کر منہ ہاتھ دھو رہا تھا تبھی امّی نے آواز دی کہ ناشتہ تیار ہے جلدی سے سبھی لوگ آ جاؤ۔ اکرم نے آواز دی امّی میں آ رہا ہوں۔ لیکن امی کو تو پتہ تھا کہ وہ سب سے آخر میں ناشتے کے لیے آئے گا اس لیے اس کے چھوٹے بھائی بہنوں کو ناشتہ دینے ہی والی تھی کہ دیکھا کہ اکرم سب سے پہلے ناشتے کے لیے حاضر تھا اور وہ بھی غسل کے بعد۔ سبھی لوگ حیرت زدہ تھے کہ اکرم میں اچانک یہ تبدیلی اور پھرتی کیسے آ گئی۔ اکرم نے مسکراتے ہوئے کہا کہ پانی کی اہمیت اور اس کے بے دریغ خرچ کرنے سے میں نے گریز کر لیا ہے اس لیے فوراً سارا کام جلد نپٹا لیا۔ اب میں پانی کو یونہی برباد نہیں کر وں گا اور ضرورت کے مطابق ہی اس کا استعمال کروں گا۔ اس سے پانی اور وقت دونوں کی بچت ہوگی اور میں وقت پر سارا کام کر سکوں گا۔

■

Sultan Azad
Pannu Lane, Gulzarbagh
Patna- 800007 (Bihar)
Mob.: 8789934730

ڈاب ڈبولی

انیس رشید خان

گاؤں کے باہر، سڑک کے کنارے، ایک بہت بڑا اور بہت پرانا آم کا پیڑ تھا۔ اس کی زیادہ تر شاخیں اتنی نیچے جھکی ہوئی تھیں کہ ان کو زمین پر کھڑے کھڑے پکڑا جا سکتا تھا۔ سبھی بچے اس کی مضبوط شاخوں پر یوں چڑھ جاتے تھے جس طرح بندر درختوں پر چڑھ جاتے ہیں۔ اس پیڑ کے نیچے گاؤں کے سبھی بچے ایک بڑا ہی مزے دار کھیل کھیلا کرتے تھے جسے انھوں نے 'ڈاب ڈبولی' نام دے رکھا تھا۔

اس وقت اسلم دونوں گھٹنوں کے درمیان سر چھپائے بیٹھا رو رہا تھا۔ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے آنکھیں ملتے جا رہا تھا اور کبھی کبھی ایک آنکھ سے سامنے کام کاج میں مصروف امی کو بھی دیکھ لیتا کہ ان کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی آئی یا نہیں۔ امی اپنے چہرے پر بناوٹی غصہ سجائے اپنے کاموں میں مصروف تھیں۔ حالانکہ وہ بھی کبھی کبھی کنکھیوں سے اسلم کو دیکھ لیتی تھیں۔ لیکن چہرے کے تاثرات ویسے ہی قائم تھے۔ شاید آج امی نے طے کر لیا تھا کہ وہ کسی بھی قیمت پر اسلم کی ضد پوری نہیں کریں گی۔ ابھی یہ سب ڈرامہ چل ہی رہا تھا کہ باہر سے سریش کی زوردار آواز آئی... ''اسلم!... ابے او اسلم!... جلدی چل... ڈاب ڈبولی کھیلنے چلنا نہیں ہے کیا۔؟...''

اب اسلم اپنی جگہ کسمسانے لگا۔ اب نا تو رونا جاری رکھ سکتا تھا اور نا ہی فوراً اٹھ کر باہر جا سکتا تھا۔ اگر روتا رہتا تو کون سا امی مان جاتیں اور اگر آنسو پونچھ کر باہر کھیلنے چلا جاتا تو امی کی نظروں میں کیا خاک عزت رہ جاتی تھی۔ سریش نے پھر آواز لگائی... ''اسلم!... کیا کر رہا ہے؟... چل نا جلدی...''

اب امی نے اونچی آواز میں جواب دیا... ''سریش!... اسلم آج کھیلنے نہیں جائے گا..... وہ ابھی دھرنا دے کر بیٹھا ہے... ابھی اس کی ہڑتال چل رہی ہے.....''

امی کے اس طنز آمیز جملے پر اسلم آنسو بھری آنکھوں سے انھیں گھور کر دیکھنے لگا۔ اس بات کو سنتے ہی سریش دروازہ کھول کر اندر گھس آیا۔ وہ حیرت سے اسلم کو دیکھنے لگا۔ ''اِس کو کیا ہو گیا ماؤسی؟..... یہ ایسے رو کیوں رہا ہے؟...'' اس نے اسلم کی جانب دیکھتے ہوئے امی سے پوچھا۔ ابھی امی کچھ جواب دینے ہی والی تھیں کہ اسلم بڑبڑاتے ہوئے تیزی سے اٹھا اور آنکھیں صاف کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔ سریش بھی اس کے پیچھے پیچھے اسے آوازیں دیتا ہوا تیزی سے باہر نکلا تھا۔ سڑک پر وہ دونوں گاؤں کے باہر کی جانب بھاگتے جا رہے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں آم کے پیڑ کے نیچے پہنچ گئے جہاں ان کے باقی ساتھی پہلے سے موجود تھے۔ دوڑتے دوڑتے اسلم نے اپنے آنسو پونچھ بھی لیے تھے اور چہرہ بھی صاف کر لیا تھا۔

''کیا ہو گیا تھا تجھے؟... رو کیوں رہا تھا؟...'' سریش نے اس کے بغل میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ارے کچھ نہیں یار..... میں امی سے پتنگ کے لیے دس روپے مانگ رہا تھا..... لیکن وہ دینے کو تیار ہی نہیں تھیں...... اسی لیے ان کے سامنے بیٹھا رونے کا ناٹک کر رہا

تھا...'' یہ سنتے ہی سریش ہنسنے لگا۔ اسلم بھی ہنسنے لگا۔

''تو نہیں سدھرنے والا...'' سریش نے ہنستے ہوئے کہا اور ایک ہلکی سی چپت اس کے سر پر ماری۔

''تم دونوں صرف باتیں کرتے رہو گے یا کچھ کام وام بھی کرو گے...'' وشال نے قریب آکر انھیں گھورتے ہوئے کہا۔

''ارے یار وِشو!... غصہ نہ کر... چل ہم بھی صاف صفائی کرنے لگتے ہیں...'' اسلم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس پیڑ کی چھاؤں بالکل گول دائرہ نما اور بہت بڑی تھی۔ وہ سب لڑکے ہاتھوں میں گھانس پھونس اور پتوں کی جھاڑو بنا کر اُس سے پیڑ کے نیچے کی زمین جھاڑنے لگے۔

''کل شام کس پر راج آیا تھا؟...'' وشال نے ایک ایک کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ لڑکوں کی گینگ کا سب سے لمبا تڑنگا لڑکا تھا اسی لیے ایک طرح سے وہ ان سب کا کیپٹن بنا ہوا تھا۔

''یہ... یہ اپنا عارف..... اس پر راج آیا تھا...'' سریش نے دبلے پتلے عارف کو پکڑ کر درمیان میں کھینچتے ہوئے کہا۔

''تو چلو... کھیل شروع کرتے ہیں...'' وشال نے عارف کو ایک جانب لے جاتے ہوئے کہا۔ سبھی لڑکے پیڑ کے موٹے تنے کے قریب کھڑے ہو گئے اور وشال اور عارف کو دیکھنے لگے۔

وہ دونوں چھاؤں کے ایک سرے پر پہنچ کر رک گئے۔ وشال نے ہاتھ میں ایک لکڑی پکڑی ہوئی تھی۔ اس نے زمین پر لکڑی سے ایک نقطہ تیار کیا۔ پھر اس نقطے پر لکڑی کا ایک سرا رکھ کر دوسرے سرے سے ایک دائرہ بنانے لگا۔ عارف بڑے غور سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ جب دائرہ بن گیا تب وشال نے دائرے کے قریب کھڑے ہو کر ایک پیر اوپر اٹھانا شروع کیا۔ عارف پوری مستعدی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پیڑ کے نیچے کھڑے سبھی لڑکے اب پوری طرح الرٹ ہو چکے تھے۔

وشال نے اپنی لمبی سی ٹانگ کو ممکنہ حد تک اوپر اٹھا لیا۔ اس کے سیدھے ہاتھ میں وہی لکڑی تھی۔ پھر اس نے زور سے چلا کر کہا... ''ڈاب ڈبولی...'' اور یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی اوپر اٹھی ہوئی ٹانگ کے نیچے سے اس لکڑی کو بہت دور اچھال دیا۔ لکڑی کے پیچھے عارف دوڑنے لگا۔ وشال پیڑ کی طرف تیزی سے بھاگنے لگا۔ باقی لڑکے تیزی سے ''ڈاب ڈبولی...'' چلاتے ہوئے پیڑ پر چڑھنے لگے۔ عارف دور پھینکی ہوئی اس لکڑی تک پہنچا۔ اسے فوراً اٹھایا اور زمین پر بنائے گئے دائرے کی طرف دوڑنے لگا۔ اتنے عرصے میں سبھی لڑکے پیڑ پر چڑھ چکے تھے۔ عارف دوڑتے ہوئے دائرے کے قریب پہنچا اور جلدی سے اس لکڑی کو دائرے کے اندر رکھ کر تیزی سے پیڑ کی جانب لپکا۔ تنے کو پکڑ کر وہ پیڑ پر چڑھنے لگا اور ساتھ ہی ساتھ یہ دیکھنے لگا کہ کس لڑکے کو سب سے پہلے ہاتھ لگایا جا سکتا ہے۔ اسلم اسے آسان ہدف لگا۔ وہ اسلم کی جانب ہی چڑھنے لگا۔ یہ دیکھ کر اسلم بھی مزید اوپر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن وہ آخر کہاں تک چڑھتا؟... عارف نے اس کے قریب پہنچ کر اسے ہاتھ لگا ہی دیا۔ سبھی لڑکوں نے زوردار آواز لگائی... ''ڈاب ڈبولی...'' اور پھر وہ سب ہنستے کھلکھلاتے پیڑ سے نیچے اُترنے لگے۔ ان سب کے چہرے خوشیوں سے چمک رہے تھے۔

نیچے اتر کر وہ سب اسی دائرے کے قریب پہنچ گئے۔ اب اسلم پر راج آ گیا تھا۔ عارف نے لکڑی پکڑ کر اس بار مورچہ سنبھال لیا۔ تمام لڑکے بھاگ کر پیڑ کے تنے کے قریب کھڑے ہو گئے۔ اسلم پوری طرح الرٹ ہو کر عارف کے قریب کھڑا تھا۔ عارف نے اپنی پتلی سی ایک ٹانگ اوپر

اٹھائی اور اس کے نیچے سے لکڑی کو زور سے ایک جانب اچھال دیا۔ سبھی لڑکوں نے، عارف کے ساتھ مل کر ایک ساتھ ''ڈاب ڈبولی...'' کا نعرہ بلند کیا اور پیڑ پر چڑھنے لگے۔ عارف پوری رفتار سے بھاگ کر پیڑ پر چڑھنے لگا اور اسلم لکڑی کی جانب لپکا۔

یہ کھیل دن بھر چلتا رہا۔ دیکھتے ہی دیکھتے شام کا وقت قریب آ گیا۔ اچانک وشال کی نظر طوطوں کے ایک جوڑے پر پڑی جو کہیں سے اُڑتے اُڑتے اسی پیڑ کی اونچی شاخوں پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے چیخ کر سبھی لڑکوں کو قریب بلایا اور کہنے لگا... ''اپنا آج کا ٹائم اب ختم ہو گیا۔ وہ دیکھو مٹھوؤں کا ایک جوڑا آ گیا ہے...'' سب نے پیڑ کی اونچائیوں کی طرف دیکھا۔ سریش کہنے لگا... ''ابھی دو ہی تو مٹھو آئے ہیں... جب زیادہ مٹھو آ جائیں گے، تب اپنا کھیل بند کر دیں گے...''

کچھ لڑکوں نے اس بات کی تائید بھی کی لیکن وشال نے تیوریاں چڑھا کر کہا... ''بالکل بھی نہیں... اب شام ہونے والی ہے... یہ پیڑ دن کے وقت اپنا یعنی انسانوں کا ہے... لیکن شام ہوتے ہی یہ ان پرندوں کا گھر بن جاتا ہے... اگر ہم ابھی بھی کھیلتے رہے تو یہ بیچارے پرندے گھبرا کر کہیں اور چلے جائیں گے... ہم ان پرندوں کا حق نہیں مار سکتے...'' اس نے لکڑی کو وہیں ایک جانب پھینکا اور گاؤں کی طرف جانے لگا۔ باقی بچے بھی اس کے پیچھے پیچھے جانے لگے۔

کچھ ہی دیر بعد آم کے اس پیڑ پر سیکڑوں پرندے جمع ہو چکے تھے اور ایک دوسرے کو دن بھر کی رُودادیں سنا رہے تھے۔ ■

Dr. Anees Rasheed Khan
Paradise Colony, Walgaon Road
In Front of Water Tank
Amravati - 444604 (Maharashtra)

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا / چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/ منی آرڈر .... بتاریخ ....

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِ تعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, Email.: magazines@ncpul.in

دستخط

بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا

خان حسنین عاقب

خان حسنین عاقب کا تعلق مہاراشٹر کے شہر پوسد سے ہے۔ اردو، انگریزی اور تاریخ میں انھوں نے ایم اے کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایم ایڈ، ایم ایس ڈبلیو اور ایل ایل بی کی ڈگریاں بھی حاصل کی ہیں۔ وہ جی این اے کالج میں لیکچرر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ شاعر، ادیب اور ترجمہ نگار کی حیثیت سے ان کی شناخت ہے۔ ان کی مطبوعہ کتابوں میں رم آہو، خامہ سجدہ ریز، اقبال بہ چشم دل، کم وبیش وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ بچوں کے رسائل وجرائد میں ان کی نظمیں اور کہانیاں شائع ہوتی رہی ہیں۔ بچوں کی کہانیوں پر مشتمل ان کی کتاب 'آسماں گم ہے' حال میں شائع ہوئی ہے۔

سات سالہ عدنان کے گھر میں رہنے والی مانو بلی بہت چالاک تھی۔ چالاک تو تھی ہی لیکن اب ایسی بھی نہ تھی کہ دوسروں کو نقصان پہنچاتی۔ اس کی ماں نے اسے پڑوس کے ایک گھر میں پیدا کیا تھا۔ اس کے ساتھ تین اور بلونگڑے پیدا ہوئے تھے۔ مانو بہت خوبصورت اور معصوم نظر آتی تھی۔ اس لیے عدنان کو بھا گئی تھی۔ اس نے اپنے والد سے ضد کی کہ اسے یہ بلونگڑی چاہیے۔ پڑوسی کو بھی ایک بلی اور اس کے اتنے سارے بچے پریشان کر رہے تھے۔ وہ ہر وقت کی میاؤں میاؤں سے تنگ آ گئے تھے۔ انھوں نے خوشی خوشی اجازت دے دی۔ یوں مانو بلی عدنان کے گھر کی ایک ممبر بن گئی تھی۔ مانو کے لیے دودھ کا پیالہ الگ رکھا گیا تھا۔ عدنان میاں اس کے بہت چونچلے کرتے تھے۔ مانو بلی عدنان میاں کے آس پاس ہی گھومتی رہتی تھی۔ کبھی عدنان کی گود میں چڑھی بیٹھی ہے تو کبھی ان کے پیروں میں لوٹ رہی ہے۔ جیسے جیسے مانو بڑی

ہوتی گئی، اس کی بھوک میں اضافہ ہوتا گیا اور اس کی معصومیت چالاکی میں بدلتی گئی۔ اب عدنان بھی اس کی طرف کم ہی توجہ کرتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اب خودکفیل ہوچکی تھی۔ بھوک لگنے کی صورت میں وہ انتظار نہ کرتی اور پڑوس میں یا پھر عدنان کے کچن میں اپنا انتظام خود کرلیتی۔ کبھی کچے گوشت کی بوٹی کھینچ لاتی تو کبھی کہیں سے دودھ پی آتی۔ لیکن پھر بھی اس کی بھوک تھی کہ مٹتی ہی نہیں تھی۔ ایک دن کی بات ہے، مانو اپنے گھر سے بہت دور نکل آئی۔ راستے کے ہنگاموں میں اس کا دل لگ گیا تھا۔ وہ دیر تک باہر گھومتی رہی۔ گھومتے گھومتے وہ تھک گئی۔ اب اسے بھوک بھی لگنے لگی تھی۔

گھر واپس لوٹتے ہوئے اس نے سوچا کہ پہلے پڑوس کے گھر میں دیکھ لے کہ وہاں سے کچھ مل سکتا ہے یا نہیں۔ وہ پڑوس میں دیکھ آئی۔ لیکن پڑوس والے گھر میں تالہ لگا تھا اور ان کے کچن میں بھی تالہ تھا۔ وہاں سے مایوس ہوکر وہ اپنے گھر واپس آئی تو دیکھا کہ عدنان اور گھر کے سارے لوگ بھی کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ لیکن وہ ٹھہری بلی۔ اسے گھر میں داخل ہونے کے دوسرے راستے بھی معلوم تھے۔ اس کے لیے گھر میں داخل ہونا کوئی مشکل نہ تھا۔ گھر میں داخل ہوکر اس نے سارا گھر چھان مارا۔ لیکن نہ دودھ ملا اور نہ کہیں گوشت ملا۔ یوں بھی اب گھر والے کھانے پینے کی چیزیں ذرا حتیاط سے رکھنے لگے تھے کیونکہ کئی مرتبہ مہمانوں کی تواضع کے لیے رکھا ہوا دودھ مانو بلی چٹ کرچکی تھی۔ اس لیے انھوں نے سارا سامان احتیاط کے ساتھ رکھنا شروع کردیا تھا۔ مانو نے نظریں اِدھر اُدھر دوڑائیں۔ پورا میدان خالی پڑا تھا۔ البتہ سبزی اور پھل جیسی چیزیں باہر رکھی ہوئی تھیں جن سے مانو کو کوئی مطلب نہیں تھا۔ سبزی اور پھل اس کی غذا نہیں تھے۔ پھر اس نے خدا سے شکایت کرنے کے لیے سر اٹھایا ہی تھا کہ اچانک چھینکے پر اس کی نظر پڑی۔ اوہو! مانو نے سوچا، 'تو عدنان کی امّی نے دودھ کا برتن چھت سے لگی کڑی میں لٹکا رکھا ہے۔'

مانو بلی نے ٹھنڈی آہ بھر کے سوچا کہ قسمت کی خرابی تو دیکھو، آج تو شاید بھوکا ہی رہنا پڑے۔ شاید خدا کی یہی مرضی ہو۔

وہ مایوس ہوکر کمرے کے آس پاس ہی ٹہلنے لگی کہ بھوک مٹانے کی کوئی اور صورت نظر آجائے۔ پھر وہ کمرے کے ایک کونے میں سر ڈال کر بیٹھ گئی۔ پھر وہ اٹھ کر ادھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ اچانک دیوار سے لگے ایک لمبے سے ڈنڈے سے وہ ٹکرائی۔ ٹکر اتنی زور کی تھی کہ ڈنڈا اچھل کر ہوا میں اچھلا اور اس کا ایک وار چھت سے لٹکے ہوئے چھینکے پر پڑا۔ یہ وار اس زور کا تھا کہ چھینکے کی کڑی اپنی جگہ چھوڑ کر ٹوٹ گئی۔ چھینکا چھن سے زمین آن گرا اور اس کے ساتھ ہی دودھ کا برتن بھی زمین پر گر پڑا۔ دودھ کا برتن زمین پر کیا گرا، سارا دودھ فرش پر پھیل گیا۔ بس پھر کیا تھا، مانو بلی کی قسمت کہ امید نہ ہوتے ہوئے بھی اس کے سامنے دودھ گرا پڑا تھا۔ مانو بلی نے سر اٹھا کر پہلے تو خدا کا شکر ادا کیا، ایک جھرجھری سی لی اور پھر فرش پر پھیلے دودھ پر ایسے ٹوٹ پڑی جیسے صدیوں کی بھوکی پیاسی ہو۔

بس، وہیں سے کہاوت مشہور ہوگئی، 'بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا'۔

{تعارف اگست 2021 کے شمارے میں شائع ہوچکا ہے}

■

Khan Hasnain Aquib
G N Azad Junior College of Education
Pusad - 445204(Maharashtra)
Mob : 9423541874

محبوب حسن

درختوں کی دوستی

عمران بچپن سے ہی نہایت ذہین لڑکا تھا۔ اس کے والدین اسے بہت پیار کرتے تھے۔ عمران کے استاد بھی اس سے خوش رہتے تھے۔ پڑھنے لکھنے میں اس کا دل لگتا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی جماعت میں اوّل آتا تھا۔ کبھی کبھی وہ شرارتیں بھی کرتا تھا۔ اسے درختوں کی شاخوں اور پتیوں کو توڑنے میں بہت مزہ آتا تھا۔ کبھی وہ چھڑی سے گھر میں لگے پھولوں کے گملوں کو توڑتا تو کبھی محلے میں لگے پیڑ پودوں کو نقصان پہنچاتا۔ محلے والے اس کی حرکتوں سے بہت پریشان رہتے۔ آئے دن اس کے والدین کو شکایتیں ملتیں۔ امی کے لاکھ سمجھانے کے بعد بھی اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

کبھی کبھی عمران گاؤں کے کھیتوں اور باغوں میں گھس کر شیطانی کرتا۔ عمران کے دوست یار بھی اس کی حرکت سے پریشان تھے۔ ایک بار عمران کی امی اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہتی ہیں ”میرے بیٹے عمران! ایسا نہ کیا کرو۔ درختوں کو چوٹ لگتی ہے۔ اپنی امی کی باتیں سن کر عمران زور سے ہنستے ہوئے کہتا ”امی تم کتنی بیوقوف ہو؟ بھلا درختوں کو چوٹ لگ سکتی ہے؟ یہ تو بے جان ہوتے ہیں۔ انھیں چوٹ کیسے لگ سکتی ہے؟“ عمران اپنی امی کی باتوں کو مذاق میں اڑا دیتا ہے۔ عمران کی والدہ اس شرارت کے باوجود اپنے بیٹے سے بہت پیار کرتی ہیں۔

ایک دن کی بات ہے۔ عمران اسکول سے بے حد تھکا ہوا گھر واپس آتا ہے۔ امی اسے کچھ کھلاتی ہیں۔ تھکان کی وجہ سے بستر پر لیٹتے ہی اسے گہری نیند آ جاتی ہے۔ عمران خواب میں دیکھتا ہے کہ پیڑ پودے اس سے باتیں کر رہے ہیں۔ پیڑوں اور درختوں کی شاخیں جھک کر اس کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ آم، نیم، امرود، انگور، پیپل، لیموں اور گلاب ہر طرح کے پیڑ پودوں سے اس کی دوستی ہو گئی ہے۔ آس پاس کچھ پرندے بھی چہک رہے ہیں۔ خوبصورت ہوائیں چل رہی ہیں۔ آسمان میں بادل چھائے ہوئے ہیں۔ موسم بہت سہانا ہے۔ چاروں طرف رنگ برنگ کی خوش نما تتلیاں بھی اڑ رہی ہیں۔ عمران یہ حسین منظر دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھتا ہے۔ وہ دیر تک ان پیڑ پودوں کے ساتھ کھیلتا ہے۔

اسی دوران گلاب کا پھول عمران سے پوچھتا ہے ”میرے پیارے دوست عمران! میں اپنی خوشبو اور خوبصورتی سے پورے ماحول کو حسین بناتا ہوں۔ آپ مجھے نقصان کیوں پہنچاتے ہیں؟ آپ مجھے گملے سے کیوں اکھاڑتے

ہیں؟'' گلاب کی باتیں سن کر عمران بہت شرمندہ ہوتا ہے۔ وہ دیر تک خاموش رہتا ہے۔ اس سے کوئی جواب نہیں بن پاتا۔ وہ گلاب سے کچھ کہہ پاتا کہ آم کا پیڑ بول پڑا '' اے میرے دوست!! میں آپ کو میٹھے میٹھے آم کھلاتا ہوں۔ آپ میری ٹہنیوں کو کیوں توڑتے ہیں؟ مجھے تکلیف دے کر آپ کو کیا ملتا ہے؟۔ ابھی کل ہی آپ نے میری نازک شاخوں کو نقصان پہنچایا ہے۔'' آم کی شکایت سن کر عمران کو بے حد افسوس ہوتا ہے۔

دوسرے پیڑ پودے بھی ساری باتیں سن رہے تھے۔ ہر طرف خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ یکایک نیم کا پیڑ بھی بول پڑا کہ ''عمران بھائی! ہم پیڑ پودوں میں بھی جان ہوتی ہے۔ ہمیں بھی درد کا احساس ہوتا ہے۔ آپ ہماری پتیاں اور ٹہنیاں بے رحمی سے توڑتے ہو۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہری پتیوں کی وجہ سے ہی ہمیں خوراک اور غذا ملتی ہے۔ نیم کے پیڑ سے انسان مسواک حاصل کرتا ہے۔ ہماری پتیوں سے کئی طرح کی دوائیاں بنتی ہیں۔ نیم کی باتیں سن کر عمران کو حیرت ہوتی ہے۔ عمران نیم کے درخت سے پوچھتا ہے کہ '' بھلا پتیوں سے کیسے کھانا پک سکتا ہے؟ نیم کا پیڑ عمران کو بتاتا ہے کہ پتیوں کے ہرے رنگ کو سائنس کی زبان میں کلوروفیل Chlorophyll کہتے ہیں۔ یہ کلوروفیل ہی ہمارے لیے کھانے کا انتظام کرتا ہے۔ یہ جواب عمران کو بے حد دلچسپ لگتا ہے۔ اسے اپنی حرکتوں پر شدید افسوس ہوتا ہے۔

پیپل اور برگد کے درخت بھی ساری باتیں غور سے سن رہے تھے۔ برگد کا بوڑھا درخت عمران سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتا ہے '' پیارے! انسان کی زندگی ہمارے بغیر ادھوری ہے۔ پیڑوں کی وجہ سے ہی بارش ہوتی ہے۔ بارش کے بغیر ندیاں اور تالاب سوکھ جائیں گے۔ زمین بنجر ہو جائے گی۔'' تبھی پیپل بیچ میں بول پڑا کہ '' ارے برگد بھائی! تم سب سے اہم بات بھول رہے ہو۔ انسانوں کو سانس لینے کے لیے Oxygen بھی ہم سے ہی ملتی ہے۔ اس کے بغیر انسان بھلا کیسے زندہ نہیں رہ سکتا ہے؟ اسی لیے محمدؐ نے ہرا پیڑ کاٹنے سے منع کیا ہے'' پیپل اور برگد کی باتیں سن کر عمران گہری سوچ میں ڈوب جاتا ہے۔ اس کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنی شرارتوں اور حرکتوں پر نادم ہوتا ہے۔

رات کے دس بج چکے تھے۔ عمران کی امی اسے کھانے کے لیے جگاتی ہیں۔ وہ کھانا کھانے کے بعد فوراً سو جاتا ہے۔ صبح ناشتہ کرنے کے بعد عمران اسکول چلا جاتا ہے۔ وہ اپنے خواب کی ساری باتیں دوستوں سے بتاتا ہے۔ اس دن سے عمران اپنی تمام شرارتیں چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے والدین اپنے بیٹے میں یہ تبدیلی دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ ایک دن عمران کی ماں نے اس سے پوچھا '' بیٹا! اب تم پیڑ پودوں کو نقصان نہیں پہنچاتے ہو! اب پھول کے گملے نہیں توڑتے ہو!'' امی کی باتیں سن کر عمران کو شرمندگی کا احساس ہوتا ہے۔ وہ ذرا مسکراتے ہوئے امی سے کہتا ہے کہ '' امی جان! یہ پیڑ پودے ہمارے دوست ہیں۔ انھیں تکلیف پہنچانا گندی بات ہے۔ ان پیڑ پودوں کی وجہ سے ہی ہم سانس لیتے ہیں۔ بارش بھی انھیں پیڑوں کی مدد سے ہوتی ہے۔ ہم انسانوں کی طرح پیڑ پودوں میں بھی جان ہوتی ہے۔ انھیں بھی بھوک پیاس لگتی ہے۔ انھیں بھی دکھ درد کا احساس ہوتا ہے۔ اب میں کبھی بھی ایسی شرارتیں نہیں کروں گا۔'' اپنے بیٹے میں ایسی سمجھداری دیکھ کر وہ خوشی سے جھوم اٹھتی ہیں اور اسے پیار سے گلے لگا لیتی ہیں۔

■

Dr. Mahboob Hasan
Asst. Professor, Department of Urdu
Deen Dayal Upadhyay Gorakhpur
University, Gorakhpur- 273009 (UP)
Mob.: 8527818385

میری آواز سنو

شاہ تاج

''**کاشف بیٹا!** لاؤڈ اسپیکر کی آواز تھوڑی کم کر دیجیے۔ رات کے نو بج رہے ہیں۔'' زہیب کے دادا جی نے کہا۔

''جی چاچا جی! ابھی کر دیتا ہوں۔'' کاشف نے فوراً آواز کم کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! ہمیں اپنی خوشیوں کے ساتھ دوسروں کے آرام کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔'' دادا جی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''آج شادی تھی اس وجہ سے ہم نے پورا دن تیز آواز میں میوزک بجایا۔ لیکن اب خیال رکھیں گے۔'' کاشف بولا:

''بیٹا کاشف! کل آپ کے دوست بجا رہے تھے۔ اور کل کوئی دوسرا تیز آواز میں میوزک بجائے گا۔ اوپر سے یہ ٹریفک بھی اب بہت پریشان کرنے لگا ہے۔'' دادا جی نے کہا۔

''یہ تو آپ نے صحیح کہا۔ اپنے سامنے والی سڑک پر شام ہوتے ہی اتنی لمبی قطار لگ جاتی ہے کہ کئی گھنٹوں تک اپنی ہی آوازیں خود کو سنائی نہیں دیتیں۔ صرف گاڑیوں کے ہارن سنائی دیتے ہیں۔ چاچا جی! آپ پریشان نہ ہوں، ہم تھوڑی دیر میں میوزک بند کر دیں گے۔'' کاشف کا شکریہ ادا کرنے کے بعد دادا جی نے زوہیب اور فرحین کو ساتھ لیا اور شادی ہال سے نکل کر تینوں گھر کے لیے پیدل چل دیے۔ چلتے ہوئے زہیب نے پوچھا۔

''دادا جی! یہ تو میوزک ہے، کوئی گاڑیوں کا شور نہیں۔ تیز آواز کے بنا تو میوزک سننے میں بالکل مزہ نہیں آتا'' دادا جی نے مسکرا کر جواب دیا۔

''زہیب! آپ نے ٹھیک کہا ہے۔ لیکن کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم تھکے ہوتے ہیں اور سونا چاہتے ہیں تب ہمارا سب سے پسندیدہ میوزک بھی ہمیں شور معلوم ہوتا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ ہم آٹھ گھنٹے سے زیادہ شور برداشت نہیں کر سکتے۔ ہماری پسندیدہ آوازیں بھی ایک خاص وقت کے بعد شور کی آلودگی(Noise pollution) میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔'' تو فرحین نے حیران ہوتے ہوئے دادا جی سے پوچھا۔

''ایسا کیسے ممکن ہوتا ہے؟ آواز(Sound) بھی شور (Noise) بن جاتی ہے؟''

''ہاں فرحین! 70dB سے زیادہ شدّت کی آوازیں ہمارے کانوں کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ اور یہ بھی ہم صرف آٹھ گھنٹے تک ہی برداشت کر سکتے ہیں۔ اگر ان آوازوں کی سطح(Level) یا پھر مدت(Duration) بڑھ جائے تو ہم مختلف مسائل سے دوچار ہوتے ہیں۔ شور کی آلودگی ہماری جسمانی اور ذہنی صحت پر برا اثر ڈالتی ہے۔ حالانکہ لفظ شور، ناگوار، تیز اور ناپسندیدہ آوازوں کی نشاندہی کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے لیکن جب شور کی وجہ سے میری نیند میں خلل پڑتا ہے تو میں کتنا چڑچڑا ہو جاتا ہوں۔ سب سے زیادہ تو آپ کو ہی میری ڈانٹ کھانے کے لیے ملتی ہے۔ یعنی منظم آوازیں بھی ہر ایک کو ہر وقت پسند آئیں، یہ ضروری نہیں ہے۔'' دادا جی نے ہنستے ہوئے کہا اور زہیب کے سارے بال بکھیر دیے۔

''کیا دادا جی! یہ dB کیا ہے؟'' زوہیب نے اپنے بال ٹھیک کرتے ہوئے سوال کیا۔

''dB یعنی ڈیسیبل (decible)۔صوتی سطح کا میٹر۔جیسے ہم دودھ کو لیٹر میں، سبزیوں کو کلوگرام میں، ایسے ہی آواز کو ڈیسیبل میں ناپتے ہیں۔یہ آواز کی شدت (Intensity) ناپنے والی اکائی ہے۔''

''دادا جی! ہم اور آپ کتنے ڈیسیبل کے درمیان بات کر رہے ہیں؟'' فرحین نے پوچھا تو دادا جی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

''عام طور پر 30 سے 65 ڈیسیبل کے درمیان کی سطح پر ہم لوگ بات چیت کرتے ہیں۔'' فرحین نے زہیب کی شکایت کرتے ہوئے کہا: ''دادا جی! زہیب بھائی بہت تیز آواز میں میوزک سنتے ہیں۔میرے کانوں میں تو درد ہونے لگتا ہے۔بس یہ آپ کے کہنے پر ہی آواز کم کرتے ہیں۔مجھے چڑھانے کے لیے آواز اور تیز کر دیتے ہیں۔'' دادا جی، فرحین کی بات پر تھوڑا مسکرائے اور کہنے لگے: ''بیٹا! کچھ وقت تک ہم بہت تیز آوازیں سُن بھی سکتے ہیں اور انھیں برداشت بھی کر سکتے ہیں۔دس پندرہ منٹ کی چھوٹ تو دی ہی جاسکتی ہے۔ہم 20,000Hz تک کی تعدد اِرتعاش (frequency) آوازوں کو آرام سے جھیل سکتے ہیں۔'' دادا جی نے ہنستے ہوئے بتایا:

''دادا جی! اب یہ Hz کیا ہے؟'' زہیب نے سوال کیا:

''Hz کو ہرٹز (Hertz) کہتے ہیں۔یہ آواز کی تعدد اِرتعاش (frequency) ناپنے کی اکائی ہے۔'' دادا جی نے وضاحت کی تو زہیب نے ہاں میں اپنا سر ہلایا۔

''دادا جی جب آپ بہت دھیرے کچھ بولتے ہیں تو مجھے آپ کی آواز کیوں نہیں سنائی دیتی؟'' زہیب نے کہا۔

''زہیب! ہم 20Hz سے کم کی تعدد اِرتعاش کی آوازوں کو سن نہیں سکتے اور 20,000Hz سے زیادہ تعدد اِرتعاش (Frequency) کو ہم برداشت نہیں کر سکتے۔یہ نارمل بات ہے اور ہاں ایک بات اور یاد آئی کہ 20Hz سے نیچے کی تعدد اِرتعاش کی آواز کو زیریں صوت یا انتہائی ہلکے تعدد کی آواز (Infrasound) اور 20,000Hz سے زیادہ تعدد اِرتعاش کی آوازوں کو بالا صوت (Ultrasound) کہتے ہیں۔'' فرحین نے فوراً کہا:

''Ultrasound تو مجھے ابھی یاد ہوگیا۔'' باتیں کرتے ہوئے تینوں اب گھر پہنچ گئے تھے۔لیکن زہیب اور فرحین ابھی دادا جی کا پیچھا چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔دادا جی اپنے کمرے کی طرف جانے لگے تو زہیب نے کہا۔

''دادا جی! کیا ہم تھوڑی دیر مزید بات کر سکتے ہیں؟ میں آپ سے کئی باتیں آواز کے تعلق سے جاننا چاہتا ہوں۔صبح پھر اسکول چلا جاؤں گا اور بات نہیں ہو پائے گی۔'' دادا جی نے مسکراتے ہوئے کہا: ''آپ لوگ کپڑے تبدیل کر کے میرے کمرے میں آجایئے۔تب تک میں بھی ہاتھ منہ دھو لیتا ہوں۔ہم لوگ اپنی گفتگو کا آغاز پھر سے کریں گے۔''

''جی دادا جی! ملتے ہیں بریک کے بعد!'' دونوں بچے کپڑے تبدیل کرنے چلے گئے۔آواز سن کر فرحین اور زہیب کی امّی اپنے کمرے سے باہر آگئیں۔آج ان کی طبیعت کچھ ناساز تھی، اِس لیے وہ دعوت سے جلدی واپس آ گئی تھیں۔انھیں دیکھتے ہی زہیب کے دادا جی نے پوچھا۔

''بہو! آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

''جی ابو! اب میری طبیعت کافی بہتر ہے۔فرحین کے ابو آپ کے ساتھ نہیں آئے؟'' فرحین کی امی نے پوچھا:

''جی بہو! ابھی وداعی میں تھوڑا وقت تھا اس لیے وہ ہال میں اپنے دوست کے ساتھ انتظام دیکھ رہا ہے۔بھئی اُس کے

دوست کی بہن کی شادی ہے وداعی تک تو اسے رکنا ہی چاہیے۔''
دادا جی نے کہا:
''جی! آپ نے درست کہا۔لگتا ہے آج آپ کی سائنس کی کلاس لگنے والی ہے۔کیا میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاؤں؟ اور اگر آپ آرام کرنا چاہتے ہوں تو میں دونوں بچوں کو سمجھا دیتی ہوں کہ آپ کو پریشان نہ کریں۔'' زہیب کی امی نے مسکراتے ہوئے کہا:
''نہیں بہو! مجھے سائنس کے تعلق سے بچوں کو سمجھانا اچھا لگتا ہے۔پوری زندگی اسکول میں بچوں کو سائنس پڑھاتے ہوئے گزر گئی۔لیکن میرے پوتے پوتی کی طرح سوال کرنے والے بچے بہت کم ملے۔اِن کے سوالات مجھے متحرک رکھتے ہیں، لیکن ایک کپ چائے کی ضرورت پڑے گی۔اگر آپ کو پریشانی نہ ہوتو۔'' دادا جی نے کہا۔
''میں اب کافی بہتر ہوں۔میں،آپ کے اور اپنے لیے گرما گرم چائے بنا کر ابھی لاتی ہوں۔کیونکہ میں بھی کلاس میں بیٹھنا چاہتی ہوں۔تاکہ میں بھی کچھ معلومات حاصل کرسکوں۔''
زہیب کی امّی چائے بنانے باورچی خانے چلی گئیں تب تک دونوں بچے اپنے کاغذ قلم کے ساتھ دادا جی کے کمرے میں پہنچ گئے تھے۔دادا جی نے بھی اپنی الماری سے ایک کتاب نکالی اور اُس کے صفحات پلٹنے لگے۔تب تک فرحین کی امی دو کپ چائے لے کر آ گئیں۔دادا جی نے چائے کی چسکی لی اور پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔
''دادا جی! آواز کیا ہے؟اس کی تعریف کیسے بیان کر سکتے ہیں؟'' زہیب کے سوال پر دادا جی نے اسے شاباشی دی پھر کہنا شروع کیا:
''کسی تھرتھراتی چیز کا کانوں پر احساس آواز کہلاتا ہے۔کسی بھی آواز کو ہمارے کانوں تک پہنچنے کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔سب سے پہلا ہے تھرتھراتا ہوا مادی وجود (Vibrating body)، دوسرا ہے واسطہ (وسیلہ) (Medium)، اور تیسرا ہے وصول کنندہ (Reciever) یعنی ہمارے کان۔'' دادا جی کی بات مکمل ہوتے ہی فرحین کی امی نے کہا:
''میں سمجھی نہیں۔کچھ آسان طریقے سے بتائیے۔'' دادا جی نے کچھ سوچا پھر کہنا شروع کیا:
''آج ہی کی مثال لیتے ہیں۔لاؤڈ اسپیکر سے تھرتھراہٹ پیدا ہوئی،اور ہوا میں موجود سالمہ (Molecules) نے اس تھرتھراہٹ کو اگلے سالمہ کو منتقل کیا۔یہ میڈیم تھا اور وہ تیز تھرتھراہٹ ہمارے کانوں تک پہنچی یعنی ہم ہوئے وصول کنندہ۔شاید اب بات کچھ واضح ہوئی ہو۔!اور ہاں،آواز کے لیے ہوا سب سے اچھا وسیلہ ہوتی ہے۔'' دادا جی نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اپنی بات کو آگے بڑھایا۔
''شور عموماً سب سے زیادہ نظر انداز کیے جانے والا خطرہ ہے۔کیونکہ ہمیں صوتی آلودگی آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتی۔جب کہ یہ دل کے مسائل، ذہنی دباؤ، قوتِ سماعت کا نقصان اور مختلف نفسیاتی بیماریوں کی وجہ بن سکتی ہے۔''
ادھر فرحین نے دھیرے سے دادا جی سے کہا:
''دادا جی! ہمیں اس ڈور بیل کی آواز کو بھی کچھ کم کرنا چاہیے۔یہ بھی بہت شور کرتی ہے۔'' دادا جی نے خوش ہو کر کہا:
''کل ہی کریں گے!بہت اچھا خیال ہے۔'' دادا جی نے بچوں کو دعائیں دیں اور دونوں خوشی خوشی سونے کے لیے چل دیے۔

{تعارف جولائی 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں}

■

Shahtaj Khan
588/2b, Plot No 40, Flat No 4
Hayat Manzil, New Era society,
Bibwewadi, Marketyard
Pune- 411037(Maharashtra)

محمد علقمہ سلفی

کہانی

نولکھا ہار

راج نگر کا راجہ پرکاش سنگھ بڑا دیالو اور رحم دل تھا۔ اس کی ریاست میں رعایا خوش حال اور چور چکار کے ڈر سے بے فکر تھی۔ کوتوال پوری رات پہرہ داری کیا کرتا اور سپاہیوں کی ایک ٹولی شہر پناہ میں گشت لگایا کرتی۔ شہر اور گاؤں والے بے خوف اپنے گھروں میں سویا کرتے اور صبح سویرے مویشیوں کو لے کر کھیتوں کی طرف چلے جاتے۔ کھیتی باڑی کرنے کی وجہ سے اچھی پیداوار ہوا کرتی۔ ہندو مسلم میں بھی بڑا اتحاد تھا۔ مل جل کر ایک دوسرے کے تیوہاروں میں خوشیاں مناتے۔

ایک دن راجہ سپاہیوں کے ساتھ جنگل کی طرف شیر کے شکار کے لیے نکل رہے تھے۔ راستے میں گاؤں کی لڑکیاں گاگرس کنواں سے پانی بھر رہی تھیں اور ایک دوسرے پر پانی پھینک رہی تھیں۔ راجہ کی سواری دیکھ کر ساری لڑکیاں گاؤں کی طرف بھاگنے لگیں۔ مدھومتی گھبراہٹ میں بھاگ نہ سکی۔ راجہ نے اس سندری سے بات کی تو اس کے بات کرنے کا انداز بہت ہی مدھر تھا۔ سیاہ بل کھاتی لٹیں اور جھکے جھکے شان نے وہ اثر کیا کہ راجہ دیکھتا ہی رہ گیا اور اس کی محبت کا اسیر ہو گیا۔ شکار کرنے گئے تھے شکار ہو کے چلے کے مصداق راجہ شکار کرنے گیا شکار بھی نہ ملا اور خالی ہاتھ لوٹ کر محل آ گئے۔ راجہ کی آنکھوں کی نیند اڑ گئی تھی۔ اس نے مدھومتی کے پتا کے یہاں وزیر خاص کو بھیجا۔

اس کے پتا دلیپ سنگھ کو راجہ کا پیغام پہنچایا کہ وہ آپ کی سپتری سے وواہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ لوگوں کی مرضی ضروری ہے۔ کوئی زور زبردستی نہیں ہوگی۔ بیٹھک میں بیٹھیے۔ ایک ہفتے کے بعد خبر بھجوا دوں گا۔ مشورے کے بعد گھر کے لوگوں نے اس رشتے کو منظور کر لیا۔ ایک معمولی کسان کی بیٹی رانی بن جائے اس سے بڑی خوشی کیا ہوگی۔ بڑے دھوم دھام سے شادی ہو گئی اور مدھومتی ڈولی میں بیٹھ کر محل میں آ گئی۔ راجہ کے محل میں کئی رانیاں تھیں لیکن کسی سے اولاد نہ ہوئی۔ ایک وارث کی ضرورت تھی جو راج پاٹ چلا سکے۔

مدھومتی تمام رانیوں میں زیادہ حسین اور دلفریب تھی۔ بات کرنے کا انداز بڑا دلربا تھا۔ گاؤں کے اسکول میں تعلیم حاصل کی تھی۔ ان دنوں لڑکیوں کا پڑھنا یا اسکول جانا معیوب تھا۔ محل کی رانیاں اس کی خوبصورتی سے جلنے لگیں۔ راجہ بھی چھوٹی رانی سے زیادہ پیار کرتا تھا۔ اب تو شکار کرنا بھی چھوڑ دیا۔ زیادہ وقت حکومت کے کاموں میں صرف ہوتا اور مدھومتی کی زلفوں کے سایے میں بڑا سکون ملتا۔ وقت گزرتا رہا، آخر قدرت نے چھوٹی رانی کی گود کو ننھے راجکمار سے بھر دیا۔ جو محل بچے کی کلکاری کے لیے ترس گیا تھا وہ کمی ارجن کمار نے پوری کر دی۔ راجہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

راجہ نے اپنی سب سے پیاری رانی کو تحفے میں 'نولکھا ہار' دیا۔ بہت سارے زیورات سونے اور جواہرات کے تھے لیکن اس ہار کا کیا کہنا۔ مراد علی جوہری نے ساری کاریگری صرف کر دی۔ اس ہار میں سونے کی ہرن کی آنکھ میں ہیرا اس طرح فٹ کر دیا تھا۔ وہ ہرن کی حقیقی آنکھیں معلوم ہوئیں اور آنکھ کی پتلی کو سیاہ رہنے دیا۔ جس طرح باغیچے میں نرگس کا پھول آنکھ کی شکل کا ہوتا ہے، اسی طرح ہار کی ہرن پھٹی پھٹی سیاہ آنکھوں سے دیکھتی ہوئی معلوم ہوئی۔ مدھومتی کو یہ ہار جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ خود سے ہار کو جدا ہونے نہیں دیتی تھی۔ راجہ نے خود اس کی صراحی دار گردن میں ہار ڈالتے ہوئے کہا تھا۔ اس میں میرے دل کی دھڑکن سنائی پڑے گی۔ آج سے آپ 'مرگ شان' ہیں۔ میں اسی نام سے پکاروں گا۔ اس کی آنکھیں غزالی تو تھیں ہی اور کالی زلفیں گھٹا کی طرح لہراتی رہتی۔ اس کو کوئل کی کوک بہت پیاری لگتی۔ گھنٹوں اپنی ہیلن کے ساتھ باغیچے میں گارڈن چیئر پر

بیٹھ کر سنا کرتی۔

ایک دن 'مرگ نشاں' باغیچے کے تالاب میں اشنان کرنے گئی۔ نولکھا ہار اتار کر چبوترے پر رکھ دیا۔ باز مچھلیاں پکڑنے کے تالاب کے چکر لگا رہا تھا۔ ایک بڑی مچھلی پر جھپٹا مارا۔ پنجے میں پوری طرح گرفت میں نہ آئی۔ اتفاق سے وہ مچھلی ہار کے پاس گری۔ دوبارہ جھپٹا مارا تو مچھلی کے ساتھ وہ ہار بھی اس کے مضبوط پنجے میں آ گیا۔ وہ باز اڑا اور بچوں کے گھونسلے میں وہ مچھلی رکھ دیا۔ گھونسلہ ایک پرانے شیشم کی اونچی شاخ پر تھا۔

مرگ نشاں کپڑا بدل کر جب ہار لینے آئی تو وہاں پر وہ ہار نہ تھا۔ وہ بہت اداس ہوگئی۔ راجہ کو خبر ہوئی تو ہر طرف مجرموں کو پکڑنے کے لیے سپاہیوں کو بھیج دیا، لیکن اس ہار کا کہیں بھی پتہ نہ چلا۔ راجہ نے اعلان کروایا کہ جو 'نولکھا ہار' لے کر آئے گا، گرچہ وہ چور ہی کیوں نہ ہو اس کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ کئی مہینے گزر جانے کے بعد بھی وہ ہار نہ ملا۔

رائے بہادر سنگھ کا اکلوتا بیٹا اودھم سنگھ خوبصورت گبرو جوان تھا۔ زمیندار کے لاڈ پیار نے اس کو نہ بگاڑا بلکہ اس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے نئی تکنیک کے ذریعے کھیتی کرنے لگا۔ کافی پیداوار ہونے لگی۔ چڑیا کے شکار کے لیے وہ ادھر نکل جایا کرتا۔

ایک دن دوستوں نے کہا کہ راجہ کے باغیچے میں آم، املی، ساگوان، شیشم وغیرہ کے پیڑ ہیں وہاں ضرور شکار ملے گا۔ اس باغیچے میں کئی چڑیوں کا شکار کیا۔ شیشم کی ایک بلند شاخ پر پہاڑی کے پاس ہی باز چڑیا کا گھونسلہ تھا۔ اس میں بچے چوں چوں کر رہے تھے۔ کوبڑا سانپ بچے کو کھانے کے لیے پیڑ پر چڑھ گیا۔ اودھم سنگھ نے سانپ کو دیکھ لیا اس نے گن سے فائر کیا۔ گولی سر میں لگی اور وہ زمین پر گر پڑا۔

قریب ہی جھاڑی میں کوئی چیز چمک رہی تھی۔ وہ سونے کا ہار تھا اور ہیرا چمک رہا تھا۔ اس نے پیپر میں ہار کے گم ہونے کی خبر پڑھی تھی۔ اس میں ہار کی تصویر بھی تھی۔

اُودھم سنگھ گھر آیا۔ ابلق گھوڑے پر سوار ہو کر راجہ کے محل تک آیا۔ سپاہیوں نے اس کو مہمان خانے میں بٹھایا۔ راجہ کو خبر دی گئی کہ ایک نوجوان آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ راجہ کو پرنام کیا۔ تم کیوں ملنا چاہتے ہو۔ شاید رانی کا کوئی ہار چوری ہو گیا تھا۔ ہاں! آپ کو کیسے پتا چلا۔ میں نے اخبار میں پڑھا تھا۔ میں شکار کے لیے آپ کے باغیچے میں گیا تو ایک پیڑ پر سانپ چڑیا کا بچہ کھانے کے لیے چڑھ رہا تھا۔ میں نے اس سانپ کو مار دیا وہیں پر یہ ہار جھاڑی میں ملا۔ راجہ بہت خوش ہوا۔ تم جو مانگو عطا کیا جائے گا۔ خدا نے اتنی زمین دے رکھی ہے کہ ہم تین آدمیوں کا گزارا اچھی طرح ہو جاتا ہے۔ آپ کی امانت سمجھ کر میں یہ ہار لوٹانے آیا تھا۔ اس زمانے میں بھی تمھارے ایسا نوجوان ہے، جس کو روپے پیسے کا کوئی لالچ نہیں ہے۔ تمھارے والدین نے جس طرح تعلیم و تربیت دی ہے کاش! ہمارے ملک کا ہر نوجوان تمھارے جیسا ہوتا۔ ابھی آپ ہمارے مہمان ہیں۔ روانگی کے وقت کچھ تجویز آپ کے سامنے ہوگی اگر مان لیں تو مجھے خوشی ہوگی۔

اُودھم سنگھ کو راجہ نے کہا بیٹا دو ذمے داریاں دینا چاہتا ہوں۔ ایک راج کمار کی تعلیم اور اچھی تربیت کی، دوسرے وزیر خزانہ بنانا چاہتا ہوں۔ آپ جتنی جلدی آجائیں۔ میری خوش قسمتی ہوگی۔ اپنے والدین کو بھی ساتھ لے آئیں تو بہتر ہوگا۔

اس نے اپنے گھر جا کر ماتا پتا کو ساری کہانی سنائی۔ ان دونوں نے کہا ہم اپنے گھر کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتے۔ آپ راجہ کے پاس جا کر دونوں ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ ہم لوگ ملنے آیا کریں گے اور انھیں میری طرف سے پرنام کہہ دیں گے۔

■

Dr. Md. Alqama Salfi
Village & Post: Khirma
Via: Keoti
Distt.: Darbhanga - 847121 (Bihar)
Mob.: 9162254986

محمد اسلم تنویر

ایک سفر

میرا آئی ٹی آئی کا رزلٹ آیا اور میں خوشی خوشی سب کو بتا رہا تھا۔ تب ہی میرا دوست ماجد مجھے ملا جو ایک فیکٹری میں ڈیوٹی کرتا تھا اس نے مجھے بتایا کہ اس کی فیکٹری میں آئی ٹی آئی کی پوسٹ کے لیے ایک جگہ خالی ہے جس کے لیے وہ میری سفارش کرے گا اور اس نے مجھ سے کہا کہ اس کے ساتھ دوسرے دن فیکٹری چلنا ہوگا۔ میں بہت خوش ہوا، خوشی کے مارے مجھے رات بھر ٹھیک سے نیند بھی نہیں آئی اور صبح ہوتے ہی میں اپنے دوست ماجد کے گھر جا پہنچا۔

ماجد روزمرہ کی طرح ڈیوٹی یونیفارم، جوتا پہن کر اور ٹفن باکس لے کر تیار ہوگیا۔ اسے یونیفارم میں دیکھ کر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کتنا اچھا ہوگا کہ میرا بھی اسی فیکٹری میں سلیکشن ہو جائے۔

ماجد ڈیوٹی کے لیے ٹرین سے سفر کرتا تھا۔ کیونکہ ٹرین کے سفر میں وقت اور پیسے دونوں کم لگتے ہیں۔ اب ہم دونوں گھر سے نکل کر ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے اور پلیٹ فارم پر پہنچ کر ٹرین کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد ٹرین پلیٹ فارم پر آ کر رکی۔ ہم لوگ جیسے تیسے ٹرین میں چڑھ گئے ٹرین تھوڑی ہی دور چلی تھی کہ ٹی ٹی آ گیا۔ میری زندگی کا یہ پہلا انٹرویو تھا اور میں اتنا خوش تھا کہ جلدی میں مجھے ٹکٹ لینا یاد ہی نہیں رہا، خیر میں نے سوچا، ماجد نے تو ٹکٹ نکالا ہی ہوگا۔ اس کا تو روز کا آنا جانا ہے یہ سوچ کر میں اطمینان سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

ٹکٹ چیکر ہمارے آس پاس کے مسافروں کے ٹکٹ چیک کرنے کے بعد مجھ سے ٹکٹ پوچھا تو میں نے اپنے دوست ماجد کی طرف اشارہ کر دیا۔ ٹکٹ چیکر نے ماجد سے ٹکٹ پوچھا تو ماجد نے بڑے بااعتماد لہجے میں کہا:

”جی ہم لوگ عشرت صاحب کے بھائی ہیں۔“

ہمارے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگ حیرت سے پوچھنے لگے عشرت صاحب؟ کون عشرت صاحب؟

”اجی عشرت کمال انصاری جو اس لائن پر ٹی سی ہیں۔“ ماجد نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

”اچھا! تو آپ دونوں عشرت کمال انصاری کے بھائی ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی آپ دونوں سے مل کر۔ اب آپ برائے مہربانی اپنے اپنے ٹکٹ دکھانے کی زحمت کیجیے۔ اگلا اسٹیشن آنے والا ہے اور مجھے دوسرا ڈبہ بھی چیک کرنا ہے۔“ ٹی سی نے سخت لہجے میں کہا:

ٹی سی کا سخت لہجہ دیکھ کر ماجد نے کہا: ”ارے آپ تو

مذاق کرنے لگے۔''

''جی نہیں جناب! مذاق کرنے کے لیے مجھے سرکار تنخواہ نہیں دیتی ہے۔ میرا وقت برباد مت کرو۔'' ٹی سی نے اور ذرا سختی سے کہا۔

اب میرے دل کی دھڑکن بڑھنے لگی تھی میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ ماجد نے ٹکٹ لے لیا ہے لیکن ماجد کے چہرے کی گھبراہٹ دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ ٹکٹ اس نے بھی نہیں لیا ہے۔

اب ماجد منت سماجت کرتے ہوئے بولا:

''میں سچ کہتا ہوں۔ ہم دونوں عشرت کمال انصاری صاحب کے بھائی ہیں۔''

''وہ تو میں کب سے سن رہا ہوں۔'' ٹی سی نے اپنی جیب سے رسید بک نکالتے ہوئے کہا۔

''آپ دونوں کو کرائے کے علاوہ جرمانہ بھی دینا پڑے گا۔ بولیے کہاں تک جانا ہے؟''

میری زندگی کا یہ پہلا انٹرویو تھا اور پہلے ہی دن اتنی بڑی آفت آ گئی۔ مجھے تو کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔

ماجد نے ٹی سی سے ٹکٹ اور جرمانے کی رسید لی، ٹکٹ اور رسید مجھے دیتے ہوئے بڑی بے دلی سے پیسے دینے کے لیے کہا تو میں نے خاموشی سے پیسے ادا کر دیے۔

ٹکٹ اور جرمانے کی رسید کاٹنے کے بعد ٹی سی وہاں سے دوسرے ڈبّے میں چلا گیا۔ اب میں نے اپنے دوست ماجد سے پوچھا:

''میں تو تمھارے بھروسے آیا تھا۔ مجھے تو ٹکٹ کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں تھا، تمھارا تو روز کا آنا جانا ہے، پھر تم نے ٹکٹ کیوں نہیں لیا، دیکھا نہ ایک ذرا سی غلطی کی وجہ سے زیادہ پیسے دینے پڑے اور جو اتنے آدمیوں کے سامنے بے عزتی ہوئی وہ الگ۔'' میں غصے میں ماجد کو برا بھلا کہنے لگا۔

ماجد بھی غصے سے بھرا بیٹھا تھا وہ ایک دم پھٹ پڑا اور مجھے ہی بات سنانے لگا۔

''چلو ٹھیک ہے میں نے ٹکٹ نہیں لی تو تم بھی تو ٹکٹ لے سکتے تھے مجھے تو عادت ہے ایسے ہی سفر کرنے کی۔ اب یہ تو ایک اتفاق ہی تھا کہ ٹکٹ چیکر مل گیا ورنہ میں اکثر عشرت کمال انصاری کا نام بتا کر نکل جاتا تھا۔ لگتا ہے یہ ٹی سی اس لائن پر نیا آیا ہے۔''

میں نے اپنے دوست ماجد کو سمجھایا، ''چلو جو ہو گیا سو ہو گیا جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے مگر تم یہ تو بتاؤ کہ یہ عشرت صاحب ہیں کون؟ اور تم انھیں کیسے اور کب سے جانتے ہو؟''

اب ماجد بھی تھوڑا پُرسکون ہو گیا تو اس نے مجھے بتایا کہ وہ اس کے ایک دوست کے بڑے بھائی ہیں۔ وہ آج تک ان سے کبھی نہیں ملا اور نہ ہی ان کی شکل دیکھی ہے صرف نام سے واقف ہے۔

ماجد نے جذبات کی رَو میں بہہ کر ٹی سی کو سبق سکھانے کا منصوبہ بنایا، اس نے مجھ سے رسید مانگی میں نے اپنی شرٹ کی جیب سے رسید نکال کر اسے دے دی وہ رسید میں ٹی سی کے دستخط پڑھنے کی کوشش کرنے لگا اور وہ رسید کو آنکھیں پھاڑے گھورتا رہ گیا۔ کیونکہ اس پر صاف صاف واضح طور پر لکھا تھا:

''عشرت کمال انصاری''

■

Mohd Aslam Tanveer
Salma Manzil, Lal Madrasa
Warispura
Camptee- 441001
Distt.: Nagpur (Maharashtra)
Mob.: 9370033164

سحر اسعد

چلّر پارٹی Chiller Party

جب سارے کزنز اکٹھے ہوتے ہیں تو دھما چوکڑی، اچھل کود، شور ہنگامہ تو لازمی چیزیں ہیں۔ ہم سب کزنز بھی جب دادی کے گھر اکٹھا ہوتے ہیں تو ایسا ہی کچھ منظر ہوتا ہے۔ ہر بار کچھ نیا کارنامہ انجام دے کر ہی ہم رخصت ہوتے ہیں۔ اس بار بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ ہوا کچھ یوں کہ اس مرتبہ جب ہم سب دادی کے گھر اکٹھا ہوئے تو پہلے تو دن بھر کھیل کود اور پارٹی وغیرہ کا سلسلہ چلا پھر جب رات آئی تو سب کی امیوں، اور بڑی آپیوں نے اپنا ایک الگ کمرے میں ڈیرہ جمایا جبکہ ساتھ والے کمرے میں ہم کل چھ کزنز تھے جن کو خاندان بھر میں Chiller Party کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہم سے چھوٹے چار ننھے منے کزنز جو Mini Chiller کہلاتے ہیں وہ اوپر کے کمرے میں اپنا ڈیرہ جمائے ہوئے تھے۔

بہرحال ہماری چلر پارٹی اپنے کمرے میں دنیا جہان کی باتوں میں مشغول ہوگئی۔ کافی دیر تک جب ادھر ادھر کی باتوں اور ہنسی مذاق سے دل بھر گیا تب ایک نئے مشغلے کی تلاش ہوئی۔ یوں تو ہمارا دستور ہے کہ جب بھی ہم اکٹھا ہوتے ہیں تو رات کو ایک دو بجے چاؤمین رمیگی بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ موبائل پر کوئی ٹیلی فلم بھی دیکھی جاتی ہے۔ اور اس کے لیے ہم صرف چھوٹے چچا کا موبائل استعمال کرتے ہیں اس لیے کہ وہ بڑوں کی قید سے آزاد رہتا ہے۔ (واضح ہو کہ یہ آج سے چار پانچ سال پہلے کی بات ہے ورنہ اب تو آن لائن کلاس کی وجہ سے سبھی کے پاس ذاتی موبائل رہتا ہے) وہ موبائل اس وقت منی چلرز کے پاس تھا۔ اور یہ ہر بار ہوتا کہ وہ سب موبائل لے کر اوپر کمرے میں بند ہوجاتیں پھر ہم کو جا کر منتوں سے مانگنا پڑتا تھا اور چاؤمن بھی اوپر کے کمرے میں ہی بنتی تھی لہٰذا یہ طے ہوا کہ ہم میں سے کچھ لوگ اوپر کمرہ کھلوا کر موبائل مانگیں اور چاؤمن بنانے کا انتظام کرکے باقی لوگوں کو بلالیں۔ واضح رہے کہ اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا۔ اس کارنامے کو انجام دینے کے لیے ہم میں سے چار لوگ عرشی، شیما، ناز اور میں تیار ہوئے۔ باقی دو نے کسل مندی اور سستی

دکھاتے ہوئے جانے سے انکار کر دیا۔

سو ہم چار لوگ دبے قدموں سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر آئے۔ حسب توقع کمرے کا دروازہ بند تھا۔ پہلے تو ہم نے آہستہ آہستہ دروازہ کھٹکھٹایا کہ کہیں بڑوں کی نیند نہ کھل جائے اور دبی دبی آواز میں اپنے مقصد کا اظہار کیا مگر اندر خاموشی تھی جیسے کہ وہ سو چکی ہوں حالاں کہ صاف ظاہر تھا کہ یہ خاموشی محض ایک ناٹک تھی اس لیے کہ وہ چاروں اتنی شریف ہرگز نہ تھیں کہ ملن کے اس سہانے موقع پر 'سرشام' ہی سو جاتیں۔ لہٰذا جب دروازہ کھلنے کی کوئی امید نظر نہ آئی تو ہم نے کمرے کے آس پاس کا جائزہ لیا۔ واحد کھڑکی بھی اندر سے مقفل تھی۔ پھر روشن دان پر نظر پڑی۔ ہم نے اپنے گروپ کی سب سے بہادر لڑکی شیما کو روشن دان سے اندر کا جائزہ لینے کی مہم کے لیے منتخب کیا۔ چنانچہ وہ دروازے پر چڑھی اور پھر بڑی مشکلوں سے اندر جھانک کر کمرے کی صورت حال کا جائزہ لیا۔ اور اتر کر ہم کو آگاہ کیا کہ اندر کمبل میں دبک کر خاموشی سے موبائل دیکھا جا رہا ہے۔ اس خیال کی تصدیق ہو جانے کے بعد کہ وہ جاگ رہی ہیں ہماری ہمت بڑھ گئی اور اس بار تھوڑا تیز دروازہ کھٹکھٹایا اور وارن کیا کہ ہم تمھیں دیکھ چکے ہیں لہٰذا شرافت سے باہر نکل آؤ اور چاؤمن کا لالچ دیا۔ شاید انھوں نے بھی شیما کو روشن دان سے جھانکتے دیکھ لیا تھا لہٰذا چاؤمن کے لالچ میں آکر دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی ہم چاروں طرف پھیل گئے اور موبائل کے بارے میں استفسار کیا۔ انھوں نے معصومیت کے سارے ریکارڈ توڑتے ہوئے موبائل کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا جیسے ہم ان کی کرتوتوں سے ناواقف ہوں۔ اس لیے ان کی باتوں پر توجہ نہ دھر کر ہم نے کمرے کی تلاشی شروع کی۔ باوجود کوششوں کے

جب ہمیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تب ہی ہمارے دماغ میں ایک نادر خیال آیا۔ ہم نے ناز کو نیچے بھیجا کہ وہ جا کر ایک دوسرے موبائل سے اوپر والے موبائل پہ کال کرے تاکہ گھنٹی کی آواز سے ہم موبائل کا پتہ چلا سکیں۔ مگر اس سارے واقعے میں ایک گڑبڑ ہوگئی۔ ابھی ناز نے نیچے سے کال نہیں کی تھی کہ اوپر شیما نے ایک بیگ میں موبائل ہونے کا شبہ پاتے ہوئے بیگ کو دھر لیا۔ جانے اس بیگ میں کیا تھا کہ منی چلرز کی شیزا اس پر جھپٹ پڑی۔ شیما نے یہ سمجھ کر کہ شاید اسی میں موبائل ہے تیزی سے بیگ لے کر سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔ شیزا نے اسے دوڑا لیا۔ رات کے سناٹے میں دوڑنے کی وجہ سے دھم دھم کی آوازیں بہت تیز سنائی دیں۔ اسی اثنا میں نیچے سے ناز نے کال کی۔ موبائل کی گھنٹی بجی تو میں اور عرشی جو اوپر کمرے میں موجود تھے گھنٹی کی آواز سے موبائل کا پتہ چلا لیا۔ دوسری منی چلر سدرہ جو کمرے میں موجود تھی وہ موبائل لے کر سرپٹ چھت پر بھاگی۔ میں نے اور عرشی نے اس کا پیچھا کیا۔ یہ دوسری دھم دھم کی آواز تھی۔ اب حالت یہ تھی کہ نیچے کی سیڑھیوں پر شیما اور شیزا جبکہ چھت کی سیڑھیوں پر میں اور عرشی سدرہ کے ساتھ برسرِ پیکار تھے۔

بہرحال جب میں اور عرشی موبائل چھین کر فاتحانہ طور سے نیچے اترے تو ابھی شیما اور شیزا میں جنگ جاری تھی۔ اس سے پیشتر کہ ہم انھیں موبائل حاصل ہونے کی اطلاع دیتے ہم نے پھپھو کو اوپر آتے دیکھا جو غالباً شور شرابے کی آواز سن کر چلی آئی تھیں۔ ان کو دیکھ کر ہمارے اوسان خطا ہوگئے۔ میں دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے موبائل اوپر ہی رکھ کر تیزی سے نیچے کے کمرے میں آکر کمبل میں دبک گئی جہاں باقی دونوں چلرز جنھوں نے سستی کی وجہ سے اس مہم میں حصہ لینے سے انکار کر دیا تھا، نیند میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اوپر رہ جانے والی چلرز اور منی چلرز نے بھاگ کر خود کو اوپر والے کمرے میں بند کر دیا۔ پھپھو بھی کم چالاک نہ تھیں۔ انھوں نے دروازے کو باہر سے تالا لگا کر چابی نیچے لاکر رکھ دی اور خود سونے چلی گئیں۔ ادھر میں جو کمبل میں دبکی تھر تھر کانپ رہی تھی تھوڑا پرسکون ہونے کے بعد سونے والیوں ثمر اور رویحہ کو اٹھا کر معاملے سے آگاہ کیا۔ ثمر نے تو ادھ کھلی آنکھوں سے ساری بات سنی اور دوبارہ سوگئی جبکہ رویحہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں نے سوئی ہوئی ثمر کو گھورا، پھر ہم اور رویحہ اس فکر میں لگ گئے کہ اب کیا کیا جائے۔ کمرے سے نکلنے کی ہمت ہمارے اندر نہیں تھی جبکہ اوپر قید رہ جانے والی ساتھیوں کو آزاد کرانا بھی ہماری ذمے داری تھی۔ اسی اثنا میں اوپر والوں نے نیچے کے موبائل پر کال کی۔ ہم نے جھپٹ کر فون اٹھایا تو شیما دردانگیز آواز میں کہہ رہی تھی کہ پلیز ہمیں یہاں سے نکالو۔ ہمارا دل اب اور بھی پسیج گیا۔ آخر اوپر والے کمرے میں ایک ہی تو بیڈ تھا جس پہ منی چلرز ہی مشکلوں سے سوتی تھیں۔ مستزاد یہ کہ جاڑے کا دن۔ آخر اتنی لمبی رات بنا کمبل، بنا بستر وہ کیسے کاٹیں گی۔

بالآخر ہم نے اللہ کا نام لے کر چابی اٹھائی اور ڈرتے ڈرتے اوپر گئے۔ دروازہ کھولا تو ان کو بیڈ کے نیچے دبکے پایا۔ شاید آہٹ آنے پر انھوں نے سمجھا کہ پھپھو دوبارہ آرہی ہیں۔ اس مشکل صورت حال میں بھی ان کی حالت دیکھ کر ہمیں ہنسی آگئی۔ بہرحال ان سب کو نکال کر ہم نیچے آئے اور ہاں جاتے جاتے منی چلرز پر ایک خونخوار نگاہ ڈال کر موبائل لے جانا نہیں بھولے۔ اگلی صبح گھر والوں سے جو ڈانٹ سننی پڑی وہ ایک الگ کہانی تھی۔

■

Sahar Asad D/O Asad Aazmi
B-18/1G.Reori Talab
Varanasi- 221010 (U.P)
Mob.: 9044750342

ترجمہ

لیولین چِن

انصاری حفیظ الرحمن

انصاری حفیظ الرحمن کا تعلق مالیگاوں، ضلع ناسک مہاراشٹر سے ہے۔ انھوں نے بی اے، بی ایس سی اور ایم اے، بی ایڈ کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ مالیگاوں ہائی اسکول و جونیئر کالج میں 36 سال تک انھوں نے سائنس، انگریزی، ہندی، حساب اور دیگر مضامین طلبا کو پڑھائے ہیں۔ فروری 2003 میں سبکدوش ہوئے۔ بچوں کے لیے مختلف رسائل و جرائد میں ان کی تخلیقات شائع ہوتی رہی ہیں۔ انھوں نے 1952 سے 1958 تک ایک اطفال لائبریری بھی قائم کی تھی اور اطفال بک ڈپو کے نام سے کتابوں کا ایک مکتبہ بھی قائم کیا تھا۔

چین کی ایک عقلمند اور کرشماتی خاتون (لیولین چن)، جس نے اپنی حکمت عملی سے نہ صرف اپنے شوہر بلکہ گاؤں کے بھولے بھالے کسانوں کو بادشاہ کے ظلم وستم سے نجات دلوائی۔ ان کا لگان بھی معاف کروادیا۔

چیانگ ایک غریب اور محنتی کسان ہے۔ دوسرے کسانوں کی طرح اس کا بھی کھیتی باڑی کا دھندا ہے، لیکن ظالم بادشاہ کو وہ اتنا کچھ لگان کی صورت میں دے دیتا ہے کہ بقیہ روپیوں میں اس کا گزر بسر مشکل سے ہو پاتا ہے۔ ایسی ہی صورتِ حال دوسرے کسانوں کی بھی تھی۔ وہ شادی کرنے کا خواہشمند تھا لیکن شادی بیاہ کے موافق رقم اس کے پاس نہیں تھی۔ کھیتوں میں کام کرنے کے دوران دوسرے کسان چیانگ کو متوجہ کر کے ایک خوبصورت گیت گاتے تھے جس کا مطلب تھا۔

ریاست کا راجہ حلق تک بھر کر کھانے کھاتا ہے، جبکہ چیانگ دانے دانے کو ترستا ہے، راجہ کی درجنوں بیویاں آرام سے محل میں رہتی ہیں جبکہ چیانگ صرف ایک بیوی کے لیے ترس رہا ہے۔ قصبہ کا ایک مصور چیانگ کا جگری دوست تھا، اس سے چیانگ کی مجبوری دیکھی نہ گئی، تب اس نے ایک نوجوان لڑکی کی پینٹنگ چیانگ کو دی کہ وہ اسی تصویر سے دل بہلایا کرے۔

تصویر کو اس نے مکان کے صحن میں لٹکا دیا۔ جب بھی وہ کاشتکاری کو جاتا تصویر دیکھ کر سرد آہ بھرتا اور کہتا ''کیا اتنی خوبصورت لڑکی میری بیوی بن سکتی ہے؟''

ایک شام جب وہ کھیت سے لوٹا تب اس نے کچن سے دھواں اٹھتے ہوئے دیکھا۔ اسے بے حد تعجب بھی ہوا مگر وہ اندر داخل ہو ہی گیا۔ اس نے آس پاس نگاہ دوڑائی لیکن کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ کچن میں گرم گرم لذیذ کھانوں کی خوشبو نے اس کی بھوک بڑھا دی تھی۔ اس نے ہاتھ منہ دھویا اور جتنا کھانا بنا تھا سب کا سب چٹ کر ڈالا۔ دوسرے دن جب وہ کام پر جانے لگا تو اپنا پھٹا پرانا کوٹ کمرے میں رکھ دیا اور منہ ہی منہ یہ بڑبڑاتا رہا ''جس مہربان نے مجھے پیٹ بھر کھانا کھلایا شاید وہ میرے کوٹ کی مرمت بھی کر دے۔'' وہ کام پر چلا تو گیا مگر پورا دن وہ اپنے محسن کے بارے میں ہی سوچتا رہا کہ کون ہوسکتا ہے؟

اس دن وہ وقت سے پہلے گھر کی طرف چل پڑا تاکہ کھانا پکانے والی کا راز جان سکے۔ اس نے دیکھا کہ ایک لڑکی اس کا کوٹ درست کر رہی ہے۔ اس کی نظر فوراً تصویر کی طرف گئی۔ دیکھا کہ فریم خالی ہے، تب اسے سمجھنے میں ذرا بھی دیر نہ لگی کہ فریم والی لڑکی ہی اس پر مہربان ہو چکی ہے۔

اندر جا کر اس نے لڑکی کو متوجہ کیا پھر اس کا ہاتھ تھام کر بولا ''اب تم زندگی بھر میرا ساتھ نہ چھوڑنا'' لڑکی نے جواب دیا ''چونکہ محنتی بھی ہو غریب بھی اس لیے میں ہمیشہ تمہارے ہی ساتھ رہوں گی۔''

دونوں آتشدان کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور میاں اور بیوی کی شکل میں ایک دوسرے کو قبول کر لیا۔

دونوں کی شادی کے بعد کی زندگی: خاتونِ خانہ کی طرح وہ چیانگ کے ساتھ بوسیدہ سے مکان میں رہنے لگی۔ وہ خوش بھی تھی۔ گھر میں چھوٹے موٹے کام کر کے وہ چیانگ کی آمدنی میں اضافے کا ذریعہ بھی بنی تھی۔ دوستوں نے دیکھا کہ چیانگ ان سے زیادہ خوشحال ہوتا جا رہا ہے۔ وہ اس کی بیوی کی تعریف کرتے تھکتے نہیں تھے۔ وہ اس بات سے بھی حیران تھے کہ آخر اتنی ہنرمند بیوی وہ لایا کہاں سے؟ تصویر کا راز ان کو معلوم نہ تھا۔

ایک دن... جبکہ چیانگ ابھی کھیتی سے لوٹا تھا۔ اس نے دیکھا کہ مکان کی دہلیز پر دو اجنبی روتے بسورتے کھڑے ہوئے ہیں۔ اتنے میں لیولین بھی باہر آ چکی تھی۔ اجنبی سے پوچھا ''تم لوگ کون ہو اور میرے گھر تمہارا کیا کام؟ ایک اجنبی ''ہم بادشاہ سلامت کے خاص باورچی ہیں۔ آج بادشاہ سلامت کے لیے فاختہ فرائی کا پروگرام تھا مگر اتفاق سے ہمارے ہاتھ کوئی بھی فاختہ لگی نہیں'' دوسرا بولا ''اور ہاں آنٹی اگر ہم نے بادشاہ کو فاختہ فرائی نہ دی تو وہ ہماری گردن اڑا دے گا۔ (گفتگو کے دوران ہی چیانگ اوزار روم میں جا چکا تھا۔ لیولین چن نے کہا ''تھوڑا انتظار کریں میں ابھی آئی'' جب وہ باہر آئی تو اس کے ہاتھوں میں کارڈشیٹ سے بنی فاختائیں تھیں۔ اس نے دہلیز سے باہر آتے ہی فاختاؤں پر پھونک ماری۔ وہ زندہ

ہوکر بارچی کے پاس چلی گئیں۔ خاتون کا شکریہ ادا کر کے وہ فاختاؤں سمیت محل میں چلے گئے۔

فرائی فاختائیں اتنی لذیذ تھیں کہ بادشاہ کو اسی قسم کی فاختاؤں کا چسکا لگ گیا۔

بادشاہ (باورچی سے) اچھا! اب یہ بھی بتا دیں کہ اتنی لذیذ فاختائیں کس جنگل سے پکڑیں؟''

ایک باورچی ''حضور! یہ ایک کسان کی بیوی کا کرشمہ بھی ہے اور اس نے لیولین سے ملاقات کا پورا واقعہ بادشاہ کے سامنے بیان کردیا۔

دوسرے دن بادشاہ کا خاص قاصد لیولین کے مکان پر حاضر ہوکر کہہ رہا تھا ''خاتون! ہمارے بادشاہ سلامت نے آپ دونوں کو یہ حکم دیا ہے کہ انھیں روزانہ کھانے کے لیے ایسی ہی فاختائیں محل میں پہنچا دیں''

لیولین ''اچھا ہے! تو پھر ہماری بات بادشاہ سلامت کو کہہ دیں'' قاصد! آپ کہیں کیا بات ہے۔ میں بادشاہ سلامت کو آپ کا وہ پیغام دے دوں گا'' لیولین ''ان سے کہنا کہ ایسی فاختائیں ان کو مرضی کے مطابق دوں گی بشرطیکہ وہ ہمارے گاؤں کے تمام کسانوں کا لگان معاف کردیں'' ''جی خاتون! بہت اچھا''

چیانگ بادشاہ کے محل میں: چیانگ ایک سادہ لوح کسان بھی تھا اور بہت غریب بھی تھا۔ وہ درباری آداب سے نا آشنا کارڈ شیٹ کی 2 فاختائیں لے کر بادشاہ سلامت کے پاس گیا۔ امرا اور درباری نے دیکھا کہ چیانگ کے پھونک مارتے ہی فاختائیں دربار میں اڑنے لگیں۔ بادشاہ صاحب کو بے حد غصہ آیا کہا ''ہم نے تمھاری بیوی کے ہاتھوں فاختہ منگوائی تھی تم ملیچھ کسان! بلا اجازت اندر کس طرح آ گئے'' چیانگ ''معاف کیجیے حضور میری بیوی دیگر کاموں میں تھی اس لیے میں ہی انھیں لے آیا'' (بادشاہ دراصل کراماتی لیولین کا بھی دیدار کرنا چاہتا تھا، اس لیے اس کا غصہ دوگنا تھا)

چیانگ مکان پر واپس آیا اور اپنی بے عزتی کی کل داستان لیولین کو سنا دی۔

دوسرے دن... لیولین حسبِ ضرورت فاختائیں لے کر محل میں گئی (ہوس پرست بادشاہ لیولین کے قریب آ کر بولا) ''ایک ملیچھ اور غریب کسان کے ساتھ رہنے سے بہتر ہوگا آپ ہماری بیگم بن کر محل میں آرام و آسائش کی زندگی گزارو۔ میں نہ صرف تمھارے گاؤں بلکہ ریاست کے تمام لوگوں کے لگان معاف کردوں گا'' لیولین نے فاختائیں دربان کو پکڑا دیں اور کہا ''اس میچھ اور غریب نے مجھے جو سکھ و چین اب تک دیا ہے شاید تم اور تمھارے عالیشان محلات یہ سکھ نہ دے سکیں گے'' (بات پوری کرتے کرتے وہ محل کے صدر دروازے تک آ گئی)۔

بادشاہ سلامت کا بدلہ لینا: لیولین کی کھری کھری باتوں نے بادشاہ سلامت کی نیندیں حرام کردی تھیں اب وہ چیانگ اور اس کی بیوی سے بدلہ لینے پر تُل گیا تھا۔

ایک قاصد چیانگ کو اس کے مکان پر بادشاہ سلامت کا فرمان یوں سنا رہا تھا۔

''کسان چیانگ کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ اگلے دن وہ بادشاہ سلامت سے گھڑسواری میں مقابلہ کریں۔ شکست کی صورت میں لیولین کو بادشاہ سلامت کے نکاح میں دینا ہوگا۔''

چیانگ افسردہ تھا کہ لیولین اندر داخل ہوئی۔ اس نے

بیوی کو بادشاہ کے فرمان کے متعلق بتایا۔ لیولین بولی ''فکر نہ کرو! یہ ریس تم ہی جیتو گے بس یہ ضروری اشیا مجھے بازار سے لادیجیے (لسٹ لے کر چیانگ بازار کی طرف چلا گیا۔ ان اشیاء سے لیولین اور چیانگ نے گتوں اور بانس سے خوبصورت سا گھوڑا تیار کیا تھا۔

ریس کے دن عوام کا ہجوم بادشاہ کے کالے گھوڑے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ چیانگ کا مذاق بنا رہے تھے کہ یہ لکڑی کا گھوڑا درمیان ہی میں دم توڑ دے گا۔ ریس کا سگنل ہوا۔ چیانگ لکڑی کے گھوڑے پر سوار تھا، لیولین نے گھوڑے پر ایسی زبردست پھونک ماری کہ وہ سفید رنگ کے خوبصورت گھوڑے میں تبدیل ہوگیا۔ چیانگ نے ایسی مہارت دکھائی کہ بادشاہ پیچھے رہ گیا اور چیانگ جیت گیا۔

چیانگ نے کشتی رانی کا مقابلہ بھی جیت لیا۔ اب بادشاہ غصہ سے پاگل ہوگیا۔ اس نے لیولین کو محل طلب کرکے ایک مشکل ترین لبادہ GOWN سی کردینے کی فرمائش کرڈالی۔

گاؤن یا لبادہ ایسا ہونا چاہیے کہ (الف) مختلف پرندوں کے پروں کے دھاگے سے اس کی سلائی ہو (ب) پہاڑوں اور سمندروں کے پس منظر سے طلوعِ آفتاب کا دلفریب نظارہ ہو۔ میاں بیوی نے لبادہ Gown کا کام تیزی سے شروع کردیا تھا۔ لیولین کو یہ فکر لاحق تھی کہ وہ طلوع آفتاب کو کس طرح ظاہر کرے۔ اسی سوچ اور بے خیالی میں سوئی انگلیوں میں چبھ گئی اور ڈھیر سارا خون لبادہ کے ایک حصہ پر گرا۔ دیکھتے

ہی دیکھتے وہ سرخ خون ایک دہکتے سورج کی شکل اختیار کرگیا۔ پہاڑ اور سمندر لیولین کی کرامات سے خودبخود گاؤن پر بن گئے۔

میاں بیوی وہ لبادہ لے کر محل میں گئے۔ بادشاہ خوش ضرور ہوا لیکن اس کے شیطانی دماغ میں ایک اور بات آئی۔ اس نے کہا ''ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایک اور لبادہ آپ دونوں محل کے اندر رہ کر ہمارے سامنے بنائیں۔''

لیولین بہت ہی زیادہ ذہین تھی۔ اس نے کہا ''عالی جاہ! اس کے جیسے ایک کیا (10) لبادے میں بُن سکتی ہوں۔ لیکن ایک بات میرے ذہان میں کھٹک رہی ہے۔ بادشاہ ''ہم بھی تو جانیں وہ کیا بات ہے؟''

لیولین ''اگر بادشاہ سلامت یہ Gown پہن کر صرف ایک بار دکھا دیں تو مجھے آپ کی صحیح پیمائش کا اندازہ ہوسکے گا'' بادشاہ نے وہ لبادہ پہنا لیولین موقعے کی منتظر تھی۔ بادشاہ سلامت نے جوں ہی لبادہ پہنا اس نے لبادہ پر زبردست پھونک ماری۔ دیکھتے ہی دیکھتے لبادہ کے اندر موجود سمندر میں زبردست طوفان اٹھا۔ بادشاہ اس کے امرا اور درباری سب کے سب اس میں غرق ہوگئے۔ کراماتی لیولین اپنے چیانگ کے ساتھ گھر آگئی۔

(قدیم چینی کہانی کا ترجمہ)

■

Ansari Hafeezur Rahman
Survay 76, Plot No: 55
Ansar Colony (Nayapura Ward)
Malegaon, Nasik - 423203 (Maharashtra)

دادا بیتی

خان محمد رضوان

سراج عظیم کا اختصاص بچوں کی کہانیاں ہیں۔ادب اطفال میں اب تک ان کی کتابوں میں 'شیطان کی دکان' (بچوں کے لیے طبع زاد کہانیاں)، 'دنیا کے ممالک کی لوک کہانیاں' (انگریزی سے ترجمہ)، 'دنیا کے ہزار رنگ' (منتخب کہانیاں)، 'سنہری کتاب' (انگریزی شاعروں کی نظموں میں کہانیاں)، 'بچوں کے ادبا وشعرا کا واٹس اپ انٹرویو' (زیر ترتیب) قابل ذکر ہیں۔

سراج عظیم نے اپنی حساسیت اور سنجیدگی کے ساتھ اپنی خاص دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ادب اطفال تخلیق کیا ہے اور یہی حسیت ایک تخلیق کار کو دور بیں بھی بناتی ہے۔جس کا ثبوت ان کا مجموعہ 'دادا بیتی' ہے۔مجھے اندازہ ہے کہ اگر ہم اس مجموعے کے اسباق کے عناوین پر ایک نظر ڈال لیں تو شاید اس بات کا اندازہ لگانے میں ہمیں آسانی ہوگی کہ یہ کتاب ادب اطفال کی فہرست میں کس اعتبار سے ممتاز اور منفرد حیثیت کی حامل ہے۔اس مجموعے کا پہلا سبق 'وطن اپنا ہی اچھا ہے' کے عنوان سے ہے۔جس میں مصنف نے وطن پرستی، وطن دوستی اور وطن سے ٹوٹ کر محبت کرنے کا درس دیا ہے۔اس کے بعد دوسرا سبق 'ایمانداری بہترین عادت ہے' کے عنوان سے ہے۔جس میں بری عادتوں سے باز رہنے اور ہمہ آن ایمانداری برتنے کی تعلیم دی گئی ہے اور بے ایمانی سے دور رہنے اور بچنے کا درس دیا گیا ہے۔اسی طرح اس کا تیسرا سبق 'چوری آموں کی' کے عنوان سے ہے۔اس میں بچوں کی نفسیات اور ان کی عادات کے پیش نظر آموں، بیروں، ککڑی اور خربوزے وغیرہ کی چوری جو کہ دیہی علاقوں میں بچوں کا ایک عام فعل تصور کیا جاتا ہے۔اس کے پیش نظر مصنف نے بچوں کو چوری جیسی عادت کو فعلِ قبیح کے طور پر بتاتے ہوئے اس سے رکنے کی تعلیم دی ہے۔مثال کے طور پر یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''ہمارے ذہن پر انگلینڈ پوری طرح سے قابض ہو چکا تھا..... عابد نے فوراً کہا ''بریلی تو ہمارا ہے اور ہمارے اسا کا ہے'' (اسا ہم لوگ اپنے تایا کو کہتے تھے) ''میں نے اس روز فوراً پتا نہیں کیا سوچ کر کہہ دیا ''ہاں ہاں تمھارا بریلی ہے میرا تو انگلینڈ ہے'' ہم نے عابد کو ایک تھپڑ جڑ دیا۔پلٹ کر عابد نے بھی ہمیں مار دیا اور بس پھر گتھم گتھا شروع ہوگئی..... کہیں سے دادا میاں آگئے..... پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولے بیٹے ملک اپنا ہی اچھا ہوتا ہے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، اچھا ہو یا برا، گندہ ہو یا صاف۔تم جن انگریزوں کی بات کر رہے ہو انھوں نے تو ہندوستان کو غلام بنا لیا تھا۔ہندوستانیوں کے ساتھ کتنا برا سلوک کرتے تھے۔یہاں کی وہ ساری چیزیں لے گئے، کسی زمانے میں ہندوستان 'سونے کی چڑیا' کہلاتا تھا ہندوستان کا سارا سونا انگریز اپنے ملک لے گئے اور ہندوستان کو کنگال کر گئے۔..... اس دن کے بعد سے ہمارے ذہن میں سے انگلینڈ کو اپنا ملک کہنے اور سوچنے کا فتور جاتا رہا۔''

(وطن اپنا ہی اچھا۔ص 21،23، دادا بیتی)

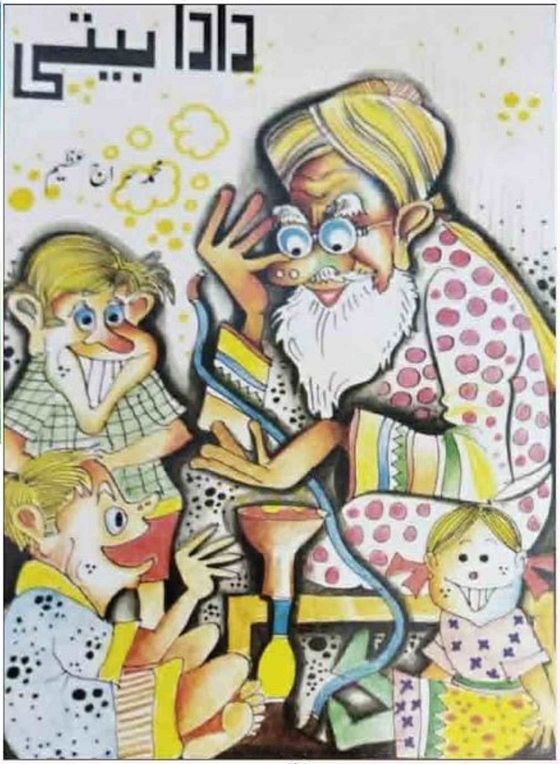

دادا بیتی، مصنف: سراج عظیم، سنہ اشاعت: 2021،
رابطہ: رحمانی پبلیکشن، مالیگاؤں، موبائل: 9890801886

اس کتاب میں تو ویسے کل چھ کہانیاں ہیں، ایک کہانی 'چوری آموں کی' کے عنوان سے ہے اس کا بھی ایک اقتباس دیکھیے:

''آم کے دنوں میں آم چاہے کسی کے بھی ہوں ان کو چرا کر کھانا ہم لوگوں کا محبوب مشغلہ تھا...... دوپہر کا وقت تھا سب لوگ کھانا کھا کر سو رہے تھے ہم خاموشی سے دادا کے کمرے میں داخل ہوگئے اور آم چرا کر چھپا دیے.... جب شام ہوگئی اور اندھیرا چھانے لگا ہم لوگ خاموشی سے اوپر آگئے اور کمرے کے کواڑ بند کر کے آم کھانے کا پروگرام بنا ہی رہے تھے کہ میرا تایا زاد چھوٹا بھائی ریاض بھی آگیا..... ہم نے سوچا اگر اس کو آم نہیں دیا تو یہ بھانڈا پھوڑ دے گا اس وجہ سے اس کو بھی ایک آم دے دیا۔''

اس کہانی کے آخر میں بچے کو اس کے دادا نصیحت کرتے ہیں کہ وہ چوری جیسی قبیح حرکت کے کرنے سے گریز کرے کیونکہ بری عادتیں اسی طرح سے پروان چڑھتی ہیں، دادا کہتے ہیں کہ:

''دادا بولے دیکھا بیٹا تم نے، ایک غلط عادت کی وجہ سے اس شخص کو کتنی ذلت اٹھانی پڑی تو کبھی کبھی انسان کی بچپن سے ایسی عادتیں پڑ جاتی ہیں جو اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے سرزد ہو جاتی ہیں اور اس کی ذلت و رسوائی کا سامان مہیا کرتی ہیں اس لیے آئندہ کبھی ایسی حرکت مت کرنا۔''

ایسی تعلیم جو بچوں کے لیے مخرب اخلاق ہوں کبھی نہیں دی جا سکتی ہیں، اسے نہ ہمارا ذہن و دل گوارا کر سکتا ہے اور نہ ہمارا مذہب پسند معاشرہ۔ جہاں تک روشن خیال طبقے کی بات ہے تو وہ بھی اپنے بچوں کی اصلاح کے خواہش مند ہوتے ہیں یہ اور بات ہے کہ ان کی اولادیں سنِ بلوغ کو پہنچ کر روشن خیالی میں اپنے باپ سے بھی آگے نکل جاتی ہیں۔ مگر یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ آج بھی ہمارا معاشرہ روشن خیال طبقے کے تسلط سے محفوظ ہے مگر مستقبل کا کچھ پتا نہیں۔ اس کے علاوہ سراج عظیم نے 'جانوروں پر رحم'، 'بڑوں کا ادب' اور 'بڑے ماسٹر صاحب' جیسے اہم موضوعات پر افسانے لکھے ہیں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ قوم کے نونہالوں کو اپنی تہذیبی اقدار اور مذہبی روایات کے ساتھ تربیت کرنا چاہتے ہیں، جس کی وجہ سے انھوں نے اپنے موضوعات کا انتخاب تہذیبی اور ادب اطفال کی مناسبت سے تربیتی اور اصلاحی رکھا ہے۔

■

Khan Mohd Rizwan
D-307, M.M.I Publishers
Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar
New Delhi - 110025
Mob.: 9810862283

اندر جیت لال

بجلی - ایک کمال، ایک حقیقت

آج کے دور میں سائنس کی بڑی اہمیت ہے۔ سائنس ہماری زندگی کا ایک لازمی حصہ بن چکی ہے۔ سائنس کے بغیر زندگی کی ترقی ممکن ہی نہیں۔ سائنس کے جدید ترین ایجادات کی وجہ سے ہمیں بہت ساری آسائشیں اور سہولیات میسر ہیں۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن کا قول ہے کہ ”سائنس علم بڑھاتی ہے اور فائدہ مند ہے۔ سچائی کی تلاش اور اس کے حصول کے لیے باقاعدہ لگن کی ضرورت ہے۔ سائنس ایک طرح کی لگن ہے۔ ریاضت ہے۔“

اردو میں بھی سائنسی موضوعات پر مضامین کا سلسلہ برسوں سے جاری ہے۔ مختلف رسائل و جرائد میں سائنسی مضامین کی اشاعت کا مقصد لوگوں میں سائنسی ذوق و شوق پیدا کرنا ہے۔ اردو میں جنھوں نے سائنسی مضامین تواتر سے تحریر کیے ہیں ان میں ایک نام اندرجیت لال کا بھی ہے۔ انھوں نے مختلف سائنسی موضوعات، انکشافات اور ایجادات پر مضامین لکھے ہیں۔ 'سائنس کی باتیں' ان کے سائنسی مضامین کا مجموعہ ہے جس میں انھوں نے ایٹمی توانائی، راڈار، کرہ زندگی پر زندگی کا آغاز، موسم، چاند کی دنیا، ریڈیم، بجلی اور کائنات کے حوالے سے مضامین رقم کیے ہیں۔ ان کی یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی نے شائع کی ہے۔

سائنس کے خاص الخاص کمالوں میں بجلی ایک بہت بڑا کمال ہے۔ اردو میں اسے 'برق' انگریزی میں 'الیکٹری سٹی' اور ہندوستانی زبان میں اسے 'بجلی' کہتے ہیں اور یہ اتنا عام لفظ ہے کہ ہر بوڑھا، جوان، بچہ، عورت، مرد، پڑھا، ان پڑھا، سب اس کے نام اور اس کے کرشموں سے واقف ہیں۔ دراصل بجلی کے بغیر آج کی زندگی بہت مختلف ہوتی۔ اپنے چاروں طرف دیکھیے ٹیلی فون، ریڈیو، ٹیلی ویژن، پنکھے، ریفریجریٹر، سنیما، روشنی کے قمقمے، چائے گرم کرنے اور آگ سینکنے کے ہیٹر سب بجلی ہی کے مختلف کمال ہیں۔

بجلی کی کہانی یوں ہے۔ آج سے لگ بھگ اڑھائی ہزار برس پہلے یونان کے ایک مشہور سائنس داں طالیس نے ایک تجربہ کیا۔ اس نے کہربا کے ایک ٹکڑے میں چمک پیدا کرنے کے خیال سے اسے اپنی قمیض سے رگڑا۔ (کہربا گوند کی طرح زرد رنگ کی ایک شفاف چیز ہے اسے دھاتوں کی طرح زمین سے کھود کر نکالا جاتا ہے۔ اصل میں یہ بعض درختوں کا گوند ہے جو ہزاروں سال تک زمین کے اندر دبے رہنے کے سبب بلور کی سی شفاف شکل میں تبدیل ہوجاتا ہے) طالیس بہت حیران ہوا کہ یہ ٹکڑا سوکھے ہوئے پتوں کو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ چنانچہ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ یہ وصف کہربا میں ہے کہ وہ اپنے سے ہلکی پھلکی چیزوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ چنانچہ طالیس نے اپنی طرف کو کھینچنے کے اس عمل کا نام 'الیکٹری سٹی' رکھ دیا۔ تب سے یہ نام مشہور ہے۔

یاد رہے کہ یونانی زبان میں کہربا کو الکٹرن کہتے ہیں۔ اسی لیے ڈاکٹر گلبرٹ نے بجلی کا نام الکٹری سٹی رکھا۔

اس کے بعد کئی سائنس دانوں کے تجربوں سے معلوم ہوا کہ کہربا کے علاوہ ہیرے، ابرق، گندھک اور شیشے میں بھی

ایسی مقناطیسی کشش موجود ہوتی ہے۔ یہ بڑی مزیدار بات ہے کہ شروع شروع میں مقناطیس کے متعلق یہ علم تو سائنس دانوں کو ضرور ہوگیا تھا کہ اگر اسے آزادی دی جائے تو یہ ہر وقت شمال کی طرف ہوجاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اگر مقناطیس لوہے کو کسی دھاگے یا رسی سے لٹکا دیا جائے تو یہ گھوم کر یقیناً شمال کی طرف رخ کرلے گا لیکن اس سے زیادہ سائنس داں یہ نہ جان سکے گا کہ مقناطیسی اور بجلی کی لہروں میں کوئی قریبی رشتہ ہوسکتا ہے یا نہیں۔

یہاں تین سائنس دانوں کی تحقیق کا ذکر ضروری ہے۔ سب سے پہلے اٹلی کے ایک سائنس داں والٹا نے یہ ثابت کردیا کہ تانبے اور جستے کی پلیٹوں کو چھونے سے ایک برقی رو کا احساس ہوتا ہے۔ اس تحقیق کی وجہ سے ایک بیٹری کا جنم ہوا اور بجلی کے دباؤ کی اکائی کا نام سائنس داں کے نام پر والٹ رکھا گیا۔ یہ تھا بجلی کی سائنس میں پہلا نام۔

والٹا نے بجلی کے سلسلے میں کئی نئی چیزیں بنائیں۔ آج کل بعض سنار زیوروں پر بجلی سے ملمع کرتے ہیں۔ ان کے پاس بجلی پیدا کرنے کے لیے عام طور پر چکنی مٹی کے برتن ہوتے ہیں۔ ان میں پانی کی طرح کوئی دوا ہوتی ہے انھیں کو بجلی کے سیل کہہ سکتے ہیں۔ یہ سیل والٹا ہی کی ایجاد ہیں۔ اگر دو یا تین یا اس سے زیادہ سیل ایک دوسرے سے ملا دیے جائیں تو اس ترتیب کو بیٹری کہتے ہیں۔ بیٹری کا نام یاد کرتے ہی والٹا کا نام ہمارے ذہن میں آجاتا ہے۔ والٹا نے اپنے دور ہی میں بڑا نام پیدا کیا۔ یہاں تک کہ فرانس کے حکمراں نپولین نے بجلی کے تجربے دیکھنے کے لیے والٹا کو پیرس بلایا اور آسٹریا کے بادشاہ نے والٹا کے سامنے ایک بڑا عہدہ اور تحفے پیش کیے۔

اس کے لگ بھگ تیس برس بعد ایک فرانسیسی سائنس داں ایمپیئر نے یہ معلوم کیا کہ بجلی کی رو سے مقناطیسی طاقت جنم میں آجاتی ہے۔ اس برقی رو کی اکائی کا نام ایمپیئر سائنس داں کے نام پر 'ایمپیئر' رکھا گیا تھا۔ بجلی کی سائنس میں دوسرا نام۔

چند سالوں بعد ایک جرمن سائنس داں نے اپنی تحقیق سے یہ ثابت کیا کہ برقی رو میں دھات کے تار کی موٹائی لمبائی بڑے معنی رکھتی ہے۔ اس سائنس داں نے اسے برقی رو کی اکائی کا نام دیا اور اسے 'اوم' سے یاد کیا جانے لگا۔ چنانچہ یہ نام آج بھی زبان زد خاص و عام ہے۔

اب ایک سہرا ایک امریکی سائنس داں فرینکلن کے سر بھی رہا جس نے 1752 میں ایک تجربے سے یہ ثابت کیا کہ آسمانی بجلی بھی ایک طرح کی بجلی کی رَو کہی جاسکتی ہے۔ اس سائنس داں نے یہ بھی معلوم کیا کہ بجلی کی طاقت مثبت بھی ہوتی ہے اور منفی بھی۔ 1830 میں انگلستان کے ایک سائنس داں مائیکل فریڈے نے بجلی پر مزید معلومات کے تجربے کیے۔

فریڈے لندن کے پاس ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک غریب لوہار تھا۔ غربت کی وجہ سے اس بچے کو اچھی تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ فریڈے جلد سازی کی ایک دوکان پر کام سیکھنے لگا۔ کام سیکھنے کے ساتھ ساتھ وہ پڑھتا رہتا اور خاص طور پر سائنس کی نئی نئی باتیں معلوم کرتا رہتا۔ اس شوق اور محنت کا یہ انجام رہا کہ یہ غریب لڑکا ایک دن ایک بڑا موجد اور سائنس داں بننے میں کامیاب ہوگیا۔ فریڈے اور دوسرے کئی سائنس دانوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اگر بجلی لگاتار رَو کی شکل میں حاصل کی جائے تو اس پر لاگت بھی کم آئے گی لیکن اس کام میں کامیابی مائیکل فریڈے ہی کو نصیب ہوئی۔ اس نے پہلی بار معلوم کیا کہ اگر تانبے کے تار کو لوہے کی پھرکی پر لپیٹ کر کسی مقناطیس کے سامنے گھمایا جائے تو پھرکی کے تار میں اپنے آپ بجلی پیدا ہوجاتی ہے۔ یاد رہے

کہ آگے چل کر سائنس دانوں نے فریڈے کی دریافت کی بنا پر وہ مشین بنائی جس سے آج کل بجلی حاصل کی جاتی ہے اس بجلی کی مثال اس پانی کی سی ہے جو شہر کے نلوں کے اندر ہی اندر بہتا ہے اور دیکھنے والوں کو پتہ نہیں چلتا۔ ایک امریکی سائنس داں ہنری نے مقناطیسی قوت سے بجلی پیدا کر کے دکھا دی۔ اس طرح بجلی پیدا کرنے کا ایک اور وسیلہ معلوم ہو گیا۔

بجلی کی کہانی میں ایڈیسن سائنس داں کا ذکر بھی ضروری ہے۔ اس نے سب سے پہلے جو ڈیزائن ترتیب دیا وہ ایک بجلی گھر کا تھا۔ بعد میں یہ کارخانہ بنا۔ ایڈیسن کی دوسری ایجاد بلب ہے جس کے بغیر بجلی کمرے میں نور نہیں پھیلا سکتی۔

ایڈیسن نے یوں تو سیکڑوں چیزیں ایجاد کیں لیکن فائدے کے لحاظ سے بلب کی ایجاد ان سب سے افضل درجہ رکھتی ہے۔

مورس سائنس داں نے بجلی کو تار کے ذریعے پیغام بھیجنے کے لیے استعمال کیا اور بیل نے ٹیلیفون کے ذریعے پیغام بھیجنے کا سلسلہ ایجاد کیا۔ ان دونوں کے علاوہ مارکونی کا نام خصوصاً قابل ذکر ہے جس نے ریڈیو کی ایجاد کا سہرا اپنے سر لیا۔ اس کے بعد کئی دوسرے سائنس دانوں نے نئے نئے تجربوں سے نئی ایجادیں کیں جو بجلی کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔

بجلی کا ایک کمال الیکٹرولائسنس کہلاتا ہے یعنی جب بجلی کو پانی ایسی مائع سے گزارا جائے تو اس کی کیا ماہیت ہو جاتی ہے۔ ایک مثال والٹا میٹر کی ہے۔ دھات کی کئی صفتیں جیسے الیکٹرو پلیٹنگ اور الیکٹرو ڈیپازیشن میں کسی غیر دھات پر دھات کی تہہ جمانے کو کہتے ہیں۔ بجلی کی رو سے ایسی دھاتوں کو جب کہ وہ کانوں سے نکلی ہوں ان کے اصلی عنصر اور دوسرے ملے جلے عناصر سے الگ کیا جا سکتا ہے۔

آپ نے سنیما گھروں یا گاؤں میں مشین سے پیدا ہوئی بجلی کا ذکر سنا ہوگا ایسی مشین جس سے بجلی پیدا کی جائے اسے ڈائمنو کہتے ہیں۔ بجلی گھروں میں بیسیوں ڈائمنو لگے ہوئے ہیں جو دن رات چلتے رہتے ہیں اور ڈائمنو سے پیدا کی ہوئی بجلی عوام تک یا کارخانوں تک صنعتی کام کے لیے بھی پہنچائی جاتی ہے۔ جب تک ڈائمنو ایجاد نہیں ہوا تھا تمام انجن اور کارخانے پتھر کے کوئلے سے چلائے جاتے تھے۔ اسی لیے پتھر کے کوئلے کو 'بلیک پاور' کہتے ہیں۔

آپ نے ریل گاڑی کا انجن بھاپ سے چلتا دیکھا ہوگا۔ ڈائمنو کو بھی بھاپ پر انجن سے گھماتے ہیں اور اس کے گھومنے سے بجلی پیدا ہو جاتی ہے۔

بجلی کی ایجاد نے انسان کی زندگی کو بڑا سکھ اور آرام بخشا ہے۔ بجلی کئی طرح سے تیار کی جاتی ہے جو انسان کے بیسیوں کاموں میں استعمال ہوتی ہے۔ سب سے زیادہ کام سورج کرتا ہے۔ سورج کی گرمی کی بدولت سمندروں اور دریاؤں کا پانی بخارات بن کر دوبارہ پانی کی صورت میں برستا ہے۔ پھر ندی نالے اس پانی سے بھر جاتے یں۔ پانی سے بھرے ہوئے ندی نالے بجلی گھروں کو جنم دیتے ہیں۔ بھاکڑہ ڈیم اس کی زندہ مثال ہے۔ دوسری مثال کینیڈا کے نیاگرا آبشار کی ہے جہاں دریائے سینٹ لارنس کے پانی کو کوئی تین سو فٹ کی بلندی سے گرا کر بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ اسی آبشار کو دیکھنے کے لیے دور دراز مقامات سے جوق در جوق آتے ہیں۔

پانی کے زور اور طاقت سے ایک پہیا گھومتا ہے جسے ٹربائن کہتے ہیں۔ اس ٹربائن سے مقناطیس لگا ہوتا ہے جو اس کے ساتھ ساتھ گھومتا رہتا ہے۔ اس مقناطیسی اور تانبے کے تاروں کے سلسلے کو جنریٹر کہتے ہیں۔ پانی کے بجلی گھروں کو چلانے کے لیے کروڑوں من پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس

پانی کو پہلے ایک جگہ اکٹھا کر کے اس کے بہاؤ کو باندھ دیتے ہیں۔ پانی کو ایک جھیل نما جگہ پر اکٹھا کرتے ہیں جو بجلی گھر سے اونچائی کی سطح پر واقع ہوتی ہے تاکہ جب پانی کے بہاؤ کو رواں کیا جائے تو پانی بڑی تیزی سے اونچی سطح سے نچلی سطح پر گرے اور ٹربائن کو زبردست طاقت سے چلا سکے۔ جو پانی ایک زبردست طاقت سے گرایا جاتا ہے اس کی رفتار تقریباً دو سو میل فی گھنٹہ سے بھی زیادہ ہوتی ہے ایسے بجلی گھر زیادہ تر پہاڑوں کی چوٹی پر بنائے جاتے ہیں۔ جہاں اونچی نیچی سطحیں قدرتی طور پر میسر ہوتی ہے۔ یہ بڑا دلچسپ ہے کہ پانی کی دھار ٹربائن پر گرا کو پھر اسے ندی نالوں کی شکل میں بہا دیا جاتا ہے تاکہ یہ پانی دوبارہ دوسرے کاموں میں استعمال ہو سکے۔

بھاپ یا سٹیم کے ذریعے بجلی گھروں میں ایک طرح کی بجلی تیار ہوتی ہے۔ یہ سٹیم کوئلوں، تیل یا گیس سے تیار کی جاتی ہے۔ اس کا عمل سمجھ لیجیے اس طرح کے بجلی گھروں میں بہت بڑے بڑے بائیلروں میں سیکڑوں نلوں کے اندر پانی ابلتا رہتا ہے ایسے بائیلر کہیں کہیں بارہ منزلوں کے ہوتے ہیں۔ پانی ابل کر بھاپ کی شکل اختیار کر لیتا ہے پھر اسے بڑے زور سے ٹربائن پر پھینکا جاتا ہے جس سے ٹربائن گھومنے لگتا ہے اور اس کی وجہ سے مقناطیسی سطح بھی تاروں کے ساتھ ساتھ گھومنے لگتی ہے اس عمل سے جو بجلی پیدا ہوتی ہے اس کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہوتی ہے۔

عام طور پر سٹیم کے ذریعے بجلی پیدا کرنے کے لیے بجلی گھر کوئلہ جلاتے ہیں اور جس جگہ پر کوئلہ میسر نہ ہو اور ادھر ادھر سے منگانے میں زیادہ خرچ آتا ہو وہاں گیس اور تیل کا استعمال کر لیا جاتا ہے۔ ایسے بجلی گھروں میں یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ ایک ہی پانی کو کئی بار استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ ٹربائن کو رواں کرنے کے بعد سٹیم ایک کنڈنسر میں چلی جاتی ہے اس کنڈنسر میں بہت سی نالیاں لگی ہوتی ہیں جن میں ہر وقت سرد پانی چلتا رہتا ہے بھاپ ان نالیوں کے ارد گرد چکر لگاتی ہے اور آخرکار ٹھنڈی ہو کر دوبارہ پانی کی شکل اختیار کر لیتی ہے اس پانی کو دوبارہ بائیلر میں بھاپ بنانے کے لیے بھیج دیا جاتا ہے یہ قابل ذکر ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ بجلی اسی عمل سے پیدا کی جاتی ہے۔

آج کے دور میں سائنس دانوں نے یہ محسوس کیا کہ ان سب وسیلوں سے بجلی پیدا کرنے کی آخری ایک حد ہے دوسرے یہ تمام وسیلے آج کل ہر جگہ میسر نہیں ہوتے، چنانچہ سستی اور بھاری پیمانے پر بجلی پیدا کرنے کے لیے آج کل ایٹمی توانائی یعنی یورینیم کا استعمال کیا جا رہا ہے جس جگہ یورینیم کا استعمال ہوا ہو اسے ایٹمی بجلی گھر کہیں گے۔ ہندوستان میں ایٹمی توانائی کی بدولت تین بجلی گھر بنانے کے منصوبے ہیں۔ تارا پور کا بجلی گھر تو جانا پہچانا ہے۔ ایک بجلی گھر مدراس کے نزدیک اور دوسرا پرتاپ ساگر میں زیر تعمیر ہے یہ تینوں بجلی گھر قومی تعمیر میں بڑا حق ادا کریں گے اور ایٹمی توانائی سے بجلی پیدا کرنے کے وسیلے کہلائیں گے۔

بجلی کی بدولت آٹے پیسنے کی چکیاں، تیل نکالنے کے کولھو، ریل گاڑیاں، بڑی بڑی صنعتیں، ٹرام گاڑیاں کام کر رہی ہیں۔ بجلی ترقی یافتہ قوم کی ضامن ہے۔ بجلی نے انسان کی زندگی میں بڑا آرام اور سکھ پیدا کیا ہے۔ اس نے انسان کے لیے کئی طرح کی آسانیاں مہیا کی ہیں۔ گرمی ہو یا روشنی نقل و حرکت کا کام ہو یا بھاگ دوڑ کا، چھوٹے پیمانے کا کام ہو یا بڑے پیمانے کا۔ بجلی کا کمال زندگی کے ہر پہلو، ہر موقع اور ہر منزل پر دیکھنے میں آتا ہے۔ واہ ری بجلی!

■

ماخذ: سائنس کی باتیں، **مصنف**: اندرجیت لال، **چوتھی طباعت**: 2011، **ناشر**: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

جاوید احمد سعید کامٹوی

فاسٹ فوڈ (Fast Food)

آج کی موجودہ زندگی کی ایک علت فاسٹ فوڈ کا استعمال ہے۔ بظاہر فاسٹ فوڈ کوئی بیماری تو نہیں مگر اس کی آڑ میں کئی بیماریاں چلی آتی ہیں اس لیے فاسٹ فوڈ کا تذکرہ ضروری ہے۔

فاسٹ فوڈ، جنک فوڈ کو ہم بازاری اشیا بھی کہیں گے۔ انھیں الم غلم خوردنی اشیا بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہ وہ غذائیں یا ڈشیں ہیں جنھیں فوری طور پر تیار کر کے گاہک کے سامنے پروسا جاتا ہے ان کی تیاری اور پیش کش فوری طور پر ہوتی ہے اس لیے انھیں فاسٹ فوڈ کہتے ہیں۔ چٹ پٹ تیار ہونے والی اشیا کی فہرست بڑی طویل ہے۔ فرنچ چائز، آلو چپس، پزا، برگر، ہاٹ ڈاگ، نوڈلس سے لے کر ان کے ہندوستانی اوتار جیسے سموسے، کچوری، بڑے، پکوڑے، آلو وڑا، حلوہ، کباب، بھیل پوری سبھی اس میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔ امریکہ میں کی گئی ایک اسٹڈی سے ظاہر ہوا کہ جن اسکولوں کے قریب فاسٹ فوڈ کے ریستوران ہوتے ہیں وہاں کے طلبہ میں مٹاپے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ کیلی فورنیا کے اسکولوں کے 5 لاکھ بچوں پر تجربہ کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ جہاں جہاں فاسٹ فوڈ کے ریستوران ہیں ان طلبہ کا وزن 3 گنا بڑھ چکا ہے اس لیے ان ریستورانوں کو وہاں سے ہٹانے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ ہر شام ریستوران، تفریحی مقامات، سواحل (بیچ) پر اور شہروں میں سڑکوں کے کنارے، ریڑھیوں پر متفرق فاسٹ فوڈ کا مزہ لیتے ہوئے لوگوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔ اس میں نوجوانوں کی کثرت ہوتی ہے۔ نئی تہذیب نے سماج کے سامنے جنک فوڈ کی صورت میں ایک مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔ گو کہ بہت سے بیکار لوگوں کو روزگار فراہم ہوا ہے مگر فاسٹ فوڈ کے استعمال نے بہت سے مسئلے بھی کھڑے کر دیے ہیں۔ قصہ مختصر، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جدید تہذیب کی ایک سوغات فاسٹ فوڈ بھی ہے جو کئی خرابیوں کا باعث ہے۔ آج کی بھاگ دوڑ والی زندگی میں جب میاں بیوی دونوں کو کمانا پڑتا ہے تا کہ زندگی کے اسٹینڈرڈ کو قائم رکھا جاسکے۔ دوسروں کے سامنے سبکی نہ ہو۔ ظاہر ہے میاں بیوی دونوں گھر سے باہر رہیں تو گھر کی ذمے داری کون سنبھالے گا؟ دونوں شام میں آفس سے تھکے ماندے گھر لوٹتے ہیں اور گھر لوٹتے وقت کھانے پینے کی کچھ چیزیں ساتھ لے آتے ہیں۔ تھکے ماندے ہیں اس لیے کون سامان خریدنے کھانا تیار کرنے کی زحمت گوارا کرے!! کیونکہ دوسرے دن پھر کام پر نکلنا ہے اس لیے جلدی سونا

ضروری ہے۔ شوق میں یا ضرورت کے درجے میں شروع کی گئی یہ بدعت دھیرے دھیرے مضبوط بنتی چلی جاتی ہے اور فاسٹ فوڈ کا استعمال یہ روز کا معمول بن جاتا ہے۔ شوہر نامدار بھی بیوی سے توقع نہیں رکھتے کہ نصفِ حیات ان کے لیے گھر پر کھانا تیار کرے اور بیوی چونکہ شوہر کے برابر کمارہی ہے، تھکی ہوئی ہے اس لیے وہ بھی بازاری کھانے کو ترجیح دیتی ہے۔ اب اگر کسی دن (جیسے چھٹی کے دن) گھر پر کھانا تیار کیا جائے تو یہ بے مزہ، پھیکا لگتا ہے۔ زبان کو تو بازاری کھانوں کا چٹخارہ لگ چکا ہے پھر بھلا یہ کیسے منہ کو لگے! اس طرح آدمی دھیرے دھیرے ان کھانوں کا عادی ہوجاتا ہے۔

ان چٹ پٹے کھانوں کی مقبولیت کی دوسری وجہ ان کی فوری سروس ہے۔ آپ گھر سے فون کریں اور بڑے ریستوران سے آپ کا آرڈر گھر بیٹھے پہنچ جائے گا۔ بڑے بڑے برانڈ تو ڈیلوری بوائز کی پوری ٹیم تیار رکھتے ہیں۔ ان کی تشہیر میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ شہر کے کسی کونے میں ان کا مطلوبہ آرڈر ایک خاص وقت کے اندر پہنچا دیا جائے گا۔ تیز رفتاری اور آرڈر کی تکمیل میں مختلف ہوٹلوں کے درمیان مقابلہ آرائی چلتی رہتی ہے۔

KFC، ڈومینو، میک ڈونالڈ کے پروڈکٹ کو استعمال کرنا آج امارت کی نشانی بن گئی ہے۔ بڑی بڑی بین الاقوامی کمپنیاں اپنی فرنچائز بھی دیتی ہیں اس طرح ہر چھوٹے بڑے شہر میں فاسٹ فوڈ کی فروخت شروع ہوچکی ہے مال کلچر نے بھی ان غذاؤں کو خوب بڑھاوا دیا ہے۔ آخر فاسٹ فوڈ لوگوں میں اتنے مقبول کیوں ہیں؟ تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے پیچھے کئی وجوہات ہیں:

(1) فاسٹ فوڈ یا جنک فوڈ مزے دار ہوتے ہیں۔

(2) ان کا ذائقہ روایت سے ہٹ کر ہوتا ہے اس لیے منہ کو اچھا لگتا ہے۔

(3) یہ آسانی سے اور گرما گرم تیار ملتے ہیں گھر بیٹھے بھی انھیں آپ حاصل کرسکتے ہیں۔

(4) عموماً سستے ہوتے ہیں کیونکہ تجارتی پیمانے پر تیار کیے جاتے ہیں۔

(5) ان کی مارکیٹنگ اور تشہیر پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔

انھیں ذائقہ دار اور چٹپٹا بنانے کے لیے ان میں شکر، نمک، مرچ اور سیر شدہ چربی (ٹرانس فیٹ) اور دیگر مسالوں کا بھرپور استعمال کیا جاتا ہے۔ غذا کے باسی پن کو چھپانے کے لیے ان میں تیز خوشبوئیں بڑھادی جاتی ہیں۔ اسی طرح انھیں خراب ہونے سے بچانے کے لیے غذائی حفاظتی اشیا Food preservatives کی مقدار بڑھا دی جاتی ہے۔ یہ ساری چیزیں مزید نقصان کا سبب بنتی ہیں۔

WHO (ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن) کے ایک جائزے کے مطابق دنیا کی ایک تہائی سے زیادہ آبادی زائد وزن میں مبتلا ہے اور افسوسناک بات یہ ہے کہ نوعمر بچے اس سے زیادہ متاثر ہورہے ہیں۔

فی زمانہ جسمانی محنت کی کمی ہے۔ ٹی وی پر بچے اپنا من پسند پروگرام دیکھتے ہوئے 'جگالی' کرنا پسند کرتے ہیں لہٰذا وزن میں اضافہ ہوتا ہے۔ جسمانی محنت اور ورزش سے دوری بھی مٹاپے کی ذمے دار ہے۔

جاری.........

■

ماخذ: ہمارا طرزِ زندگی اور بیماریاں، **مصنف:** ڈاکٹر جاوید احمد سعیدی کامٹوی، **سنہ اشاعت:** 2015، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

صحت املا

قواعد زبان میں املا کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ لکھنے والے کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جو لفظ لکھا جارہا ہے اس کی صحیح صورت کیا ہے؟ آج کے دور میں املا میں بہت سی تبدیلیاں آچکی ہیں جس کی وجہ سے دشواریاں بھی پیدا ہورہی ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے املا کے مسائل پر خاص طور پر توجہ دی تھی۔ اصلاح املا کمیٹی کی تشکیل بھی اسی نقطۂ نظر سے کی گئی تھی جس نے بہت سی تجاویز بھی رکھیں۔ مولانا احسن مارہروی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی جیسی شخصیات نے املا کی صحت اور اصلاح کے تعلق سے اہم مضامین بھی تحریر کیے ہیں۔ ان کے علاوہ املا پر اردو میں کچھ اہم کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں اصلاح تلفظ (مولانا ابوالخیر صدیقی)، املا نامہ (پروفیسر گوپی چند نارنگ)، اردو املا اور رسم الخط (ڈاکٹر فرمان فتح پوری)، اردو املا اور اس کی اصلاح (ڈاکٹر ابو محمد سحر)، اصلاح تلفظ و املا (طالب الہاشمی)، اردو میں تلفظ (ڈاکٹر یوسف رامپوری) قابل ذکر ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعے سے صحیح املا لکھنے میں طلبا کو رہنمائی مل سکتی ہے۔

ہمزہ اور ي

'ہمزہ' کا سب سے زیادہ غلط استعمال 'یائے' معروف و مجہول کے ساتھ ہوتا ہے۔ بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں 'ي' ساکن ہے یا متحرک، اور وہاں کسی اور حرف کی نہ ضرورت ہے، نہ گنجائش؛ مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یا تو 'ي' کے اوپر ایک 'ہمزہ' بھی لکھ دیا جاتا ہے، یہ سوچے اور دیکھے بغیر کہ وہاں اس کی ضرورت ہے یا نہیں، یا پھر 'ي' کو سرے سے غائب کردیا جاتا ہے، اور اس کی جگہ 'ہمزہ' کو دے دی جاتی ہے۔ اس سہل انگاری، بے احتیاطی اور کم نظری نے وبائے عام کی سی حیثیت اختیار کرلی ہے اور اس طرح غلط نگاری کی نہایت بری مثالیں عالم وجود میں آتی رہتی ہیں۔ اس طرف خاص طور سے توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ 'ہمزہ' اور 'ي' کے محل استعمال کو واضح طور پر سمجھا جائے اور صحیح اندازِ نگارش کو اختیار کیا جائے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے اردو افعال کا بیان کیا جائے گا۔

(1)

پِیا، سِیا، جِیا، لِیا، کیا، دِیا، یہ سب ماضی کے فعل ہیں، ان میں 'ي' سے پہلے والے حرف پر زیر ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اس طرح کے فعل، جن کے ماضی کے صیغے میں 'ي' سے پہلے حرفِ مکسور ہو؛ ان میں واحد اور جمع کے صیغوں میں 'ہمزہ' کبھی نہیں آئے گا، جیسے: دیا، دیے اور جِیا، جیے، جییں، جیو۔

پینا: پیا، پیے، پییں، پیو، پیے گا، پییں گے، پیو گے۔

سینا: سِیا، سیے، سییں، سیو۔ سیے گا، سییں گے، سیو گے۔

جینا: جِیا، جیے، جییں، جیو۔ جیے گا، جییں گے، جیو گے۔

کرنا: کیا، کیے۔

دینا: دیا، دیے۔

لینا: لیا، لیے۔

'ہمزہ' صرف اس صورت میں آئے گا جب 'ي' سے پہلے والے حرف پر زبر ہو، یا 'الف' یا 'واؤ' ساکن ہو، جیسے: گیا، گئے۔ بعض مثالوں سے اس کی وضاحت ہوسکے گی۔

گیا:	گئے۔		
لایا:	لائے	لاؤ	لائیں
پایا:	پائے	پاؤ	پائیں
گایا:	گائے	گاؤ	گائیں
کھایا:	کھائے	کھاؤ	کھائیں
آیا:	آئے	آؤ	آئیں
دھویا:	دھوئے	دھوؤ	دھوئیں
بویا:	بوئے	بوؤ	بوئیں
کھویا:	کھوئے	کھوؤں	کھوئیں

ایک بار پھر اس قاعدے کی تکرار کردی جائے کہ:

(الف) جب ماضی کے صیغے میں 'ی' سے پہلے ایسا حرف ہوگا جس پر زیر ہوگا، تو تصریفی صورت میں 'ہمزہ' کبھی نہیں آئے گا۔ جیسے: پیے (پ ِ ی ے)، پییں، پیو۔ یا جیسے: جیا، جیے (ج ِ ی ے) جییں، جیو۔

(ب) اگر 'ی' سے پہلے والے حرف پر زبر ہوگا، یا ساکن حرف ہوگا، تب تصریف کی صورت میں 'ہمزہ' آئے گا۔ جیسے گیا، گئے۔ دھوئے، دھوئیں، دھوؤ۔ یا جیسے: لایا، لائے، لائیں، لاؤ۔

فائدہ: 'لیے' فعل کے طور پر آئے یا حرفِ جار کے طور پر؛ دونوں صورتوں میں ایک ہی طرح لکھا جائے گا، یعنی: اس نے گھوڑے لیے۔ اور: میرے لیے گھوڑے لاؤ۔ 'لیے' کو اکثر 'لئے' لکھا جاتا ہے، یہ بالکل غلط لکھاوٹ ہے۔ صحیح املا 'لیے' ہوگا۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب بھی 'ی' سے پہلے والا حرف مکسور ہوگا تو لازمی طور پر 'ہمزہ' نہیں آسکتا، ہمیشہ 'ی' آئے گی۔

(2)

فعل کی تعظیمی صورت میں (یہ فعلِ امر کی ایک صورت ہوتی ہے) ہمیشہ لفظ کے آخر میں دو 'ی' آئیں گی۔ جیسے: پیجیے (پ ِ ج ِ ی ے)۔ لیجیے (ل ِ ج ِ ی ے) ان کو 'پیجئے' اور 'لیجئے' لکھنا غلط ہوگا۔ تعظیمی افعال میں 'ی' کی جگہ پر 'ہمزہ' کبھی نہیں آئے گا۔

ایسے کچھ فعل یہ ہیں:

مریے، اُبھریے، بھریے، اُتریے، بکھریے، بکھیریے، اتاریے، ابھاریے، ماریے، جوڑیے، پھوڑیے، توڑیے، لڑیے، چڑھیے، کھینچیے، کھنچیے، لیجیے، پیجیے، دیجیے، کیجیے، لکھیے، پڑھیے، بڑھیے، چلیے، اٹھیے، بیٹھیے، نکلیے، بدلیے، برتیے، برسیے، بچیے، خریدیے

اس سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہنا چاہیے کہ جن مصدروں میں علامتِ مصدر 'نا' سے پہلے 'الف' یا 'واؤ' ہوتا ہے، جیسے: آنا اور بونا؛ ایسے مصدروں سے جو تعظیمی فعل بنیں گے، ان میں بھی قاعدے کے مطابق آخر میں دو 'ی' (یے) آئیں گی، مگر پہلی 'ی' سے پہلے والے حرف (یعنی آخر سے تیسرے حرف) کی جگہ پر 'ہمزہ' آئے گا۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ 'ہمزہ' اس لفظ کا جز ہوتا ہے، 'ی' کی جگہ پر نہیں آتا۔ جیسے جائیے (جا ءِ یے)، لائیے (لا ءِ ی یے)، آئیے (آ ءِ ی یے)، بوئیے (بو ءِ ی یے)، کھوئیے (کھو ِ ی یے)، دوسرے مصدروں میں یہاں پر کوئی اور حرف ہوتا ہے، جیسے: پیجیے (پ ِ ج ِ ی یے)، اسی طرح آئیے (آ ءِ ی یے)۔ ہر صورت میں، ایسے افعال کے آخر میں دو ی آئیں گی۔ ایسے کچھ فعل یہ ہیں:

آئیے، لائیے، جائیے، پائیے، کھائیے، سوئیے، بوئیے، کھوئیے، بھلائیے، چھپائیے، کھلائیے، لٹائیے، اڑائیے اٹھائیے، لکھائیے، روئیے، چبھوئیے۔

بس یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ تعظیمی افعال کے آخر میں ہمیشہ اور ہر صورت میں دو 'ی' آئیں گی۔

فعل امر کی ایک صورت آئیو، جائیو، لیجیو، کیجیو بھی ہے۔ ان کو کبھی دعا کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے، جیسے: عمر میں زیادتی ہوجیو وغیرہ۔ امر کی اسی صورت سے، تعظیمی صورت آئیے، کیجیے وغیرہ بنتی ہے، اور اس صورت میں 'واؤ' کی جگہ 'یے' کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ یعنی کیجیو اور کیجیے۔ (ک ِ ج ِ یو؛ ک ِ ج ِ ی یے)، 'ہمزہ' کا تو ویسے بھی یہاں گزر نہیں ہوسکتا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بابائے اردو مولوی عبدالحق (مرحوم) کی کتاب 'قواعد اردو' کی متعلقہ عبارت کو نقل کردیا جائے۔ اس سے بعض اور امور کی وضاحت میں بھی مدد ملے گی:

'ادب اور تعظیم کے لحاظ سے امر کی کئی صورتیں ہیں:

علاوہ معمولی صورت کے، ایک یہ ہے: جائیو، آئیو۔ مگر یہ صورت معمولی درجے کے لوگوں یا خدمت گاروں وغیرہ سے گفتگو کرنے میں استعمال کی جاتی ہے۔ البتہ ہوجیو، رہیو

وغیرہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں، جیسے: دولت واقبال میں ترقی ہوجیو۔ مگر اس کا استعمال بھی اب کم ہوتا جاتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے: آیئے، جایئے، لایئے۔ یہ ادب اور تعظیم کے لیے بڑے لوگوں سے گفتگو کرتے وقت استعمال ہوتی ہے۔

بظاہر یہی صورت بعض اوقات خصوصاً نظم میں مضارع کے لیے استعمال ہوتی ہے، اسے امر نہ سمجھا جائے؛ رہیے اب ایسی جگہ چل کر، جہاں کوئی نہ ہو۔

نوٹ: امر میں جو 'یے' کا استعمال ہوا ہے، اس کی اصل یہ بتائی گئی ہے کہ پراکرت میں 'جا' نہ صرف امر میں بلکہ حال و مستقبل کے بنانے کے لیے بھی اضافہ کیا جاتا ہے اور یہی 'جا' بعد میں 'یے' سے بدل گیا۔'' (قواعد اردو، طبع چہارم، ص 208)

'امیر اللغات' میں ان افعال کے سلسلے میں صحت املا کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے اور ہر جگہ دو 'ی' لکھی گئی ہیں، جیسے: ''اپنی ران کھولیے آپ لاجوں مریے'' (ص 33)۔ ''اپنے کیے'' (ص 33)۔ ''اپنے من سے جاپیے'' (ص 38) ''لیجیے'' (ص 105-90)۔ ''جایئے، کھایئے'' (ص 40) ''روکیے، رکھیے، دیکھیے، کہیے، کھیلیے'' (ص 38) اسی طرح ''لیے'' ہر جگہ صحیح طور پر لکھا ہوا ملتا ہے۔

کتابت کی بدنظمی اور لکھنے والوں کی سہل انگاری نے یہ خلفشار پھیلایا ہے کہ تعظیمی افعال میں آخری 'ی' سے پہلے 'ہمزہ' جڑ دینے کی غلط روش چل نکلی، ورنہ مختلف پیرایوں میں اس بات کو لکھا گیا ہے کہ ایسے افعال میں دو 'ی' ہیں۔ میں یہاں پر صرف چار حوالے پیش کرنے پر اکتفا کروں گا: (1) مؤلف 'نور اللغات' نے مقدمہ کتاب میں جہاں متروکات سے بحث کی ہے، وہاں لکھا ہے: 'پیجیے، دیجیے، لیجیے، کیجیے وغیرہ کی ایک 'ی' گرانا، اور بروزن فعلن استعمال کرنا غیر فصیح ہے۔

جی چاہا کہ سیرِ دشت کیجیے ہے ابر، شراب ناب پیجے

(مقدمہ جلد اوّل، ص 12)

یعنی 'کیجیے' کی ایک 'ی' گرا کر، 'کیجے' نظم کرنا متروک ہے۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ان افعال میں اصلاً دو 'ی' ہیں۔

(2) شوق نیموی نے اسی بات کو 'اصلاح' میں لکھا ہے: ''پیجیے، دیجیے، لیجیے، کیجیے'' کی ایک ی گرانا اور بروزنِ فعلن استعمال کرنا غیر فصیح ٹھہرا ہوا ہے۔''

(3) بحر نے اپنے رسالے 'بحر البیان' میں 'حرفِ جیم' کے تحت لکھا ہے:

''حرفِ جیم در شش کلمہ برائے رفعِ ثقالت می آید، چوں: کیجیے، لیجیے، وپیجیے، ودیجیے، وہوجیے، وسیجیے۔ بہ جہتِ آنکہ اجماعِ سہ تحتانی شدہ است وخواندنِ آں دشوار، لہٰذا حرفِ جیم واقع شدہ، کلمہ فصیح گردید... واگر لفظ کیجیے را، کریے خوانند، خلافِ محاورۂ فصاحت است۔''

صاف طور پر یہ مطلب ہوا کہ 'کیجیے' وغیرہ میں 'ج' کے بعد 'دو ی' ہیں (کی جِ ی یے)۔ مصنف کے نزدیک ایسے افعال میں اصلاً تین ی یک جا ہوگئی تھیں، پہلی 'ی' کی جگہ 'ج' آ گیا، رفعِ ثقالت کے لیے، اب دو 'ی' رہ گئیں۔ مولوی عبدالحق (مرحوم) نے بھی یہی بات لکھی ہے۔ (قواعدِ اردو، بحثِ فعلِ حال)۔

(4) مولانا احسن مارہروی نے لکھا ہے:

''دیکھیے، کے 59 عدد ٹھیک ہیں۔ تاریخ میں مکتوبی عدد لیے جاتے ہیں۔ 'دیکھیے' میں 'کھ' کے بعد دو یائے تحتانی تلفظاً بھی ہیں اور تحریراً بھی؛ لہٰذا اس کو جائز سمجھیے۔ ناواقف ایک یائے تحتانی سمجھتے ہیں، یہ ان کی غلطی ہے۔''

(بہ حوالہ علمی نقوش، ص 223)

■

ماخذ: اردو املا، **مصنف:** رشید حسن خاں، **پانچویں طباعت:** 2019، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

ننھے فنکار

انعم فاطمہ، درجہ نہم، مولانا آزاد ہائی اسکول، ورودی، مہاراشٹر

شیخ حسان محمد علیم، درجہ سوم، ناندورہ، بلڈانہ، مہاراشٹر

محمد شبیر، درجہ چہارم، سوشل ویلفیئر گورنمنٹ اسپانسرڈ فری پرائمری اسکول کمرہٹی، کولکاتا، مہاراشٹر

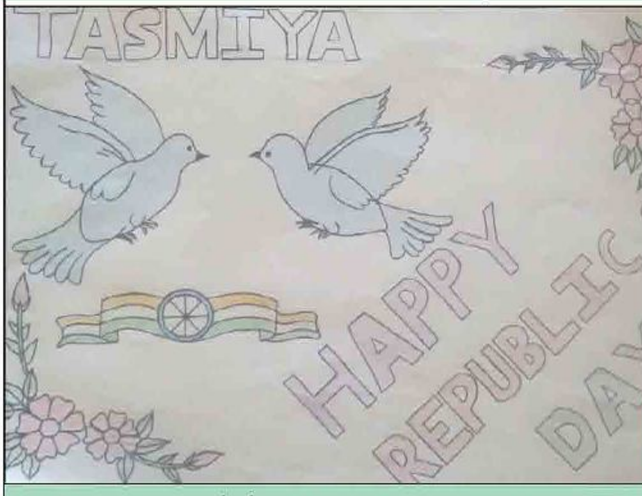

تسمیہ فردوس محمد رمضان، درجہ دہم، مولانا آزاد ہائی اسکول، ورودی، مہاراشٹر

زنیرہ سوداگر، درجہ نہم (سی)، اقرا اردو ہائی اسکول، اورنگ آباد، مہاراشٹر

محمد مصطفیٰ انصاری، درجہ نہم
بی بی رام ہائی اسکول، نگرہ، چھپرہ، بہار

سادیہ صدف محمد وسیم راجا، درجہ ششم، ضلع پریشد اردو اسکول نیم گاؤں، بلڈانہ، مہاراشٹر

حمیرا حسن شیخ، درجہ اوّل، محمدیہ اردو پرائمری اسکول، مہاراشٹر

وانیہ شیخ، درجہ دہم، سینٹ میرس اسکول نگینہ، اتر پردیش

نشیتا ناز محمد وارث، درجہ دہم، فریق: الف، ملت ہائی اسکول، مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

اشنا عفت شریف خان، درجہ نہم، فریق: الف، ملت ہائی اسکول، مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

عاکفہ رحمان، درجہ اول، گرین ٹریز پبلک اسکول
شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- 'مستقبل کے قلمکار' عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, जून 2022, वर्ष 10, अंक 06
BACHON KI DUNIYA Monthly, June 2022 Vol. 10, Issue: 06
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/05/2022
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

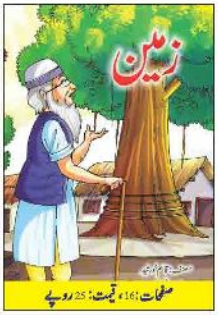

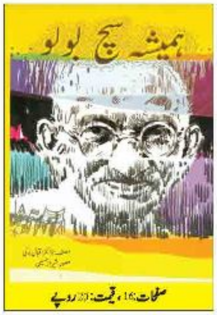

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6